خیبر پختونخوا کی خواتین سفر نامہ نگاروں کی تخلیقات میں مقامات مقدسہ

گوہر رحمان
پی ایچ ڈی اسکالر
اسلامیہ کالج یونی ورسٹی پشاور
پروفیسر ڈاکٹر اظہار اللہ
استاد اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور

Abstract:

Every religion in the world has its own sacred places, cherished by its followers, and Islam is no exception. Muslims hold certain places in the highest spiritual and emotional regard, considering them central to their faith and devotion. These revered places are not only spoken of with profound respect in everyday conversations but also occupy a prominent place in their literary works. Each year, millions of pilgrims embark on journeys to visit these sanctuaries, including Makkah and Madinah, along with Najaf, Karbala, and numerous shrines of prophets, companions of the Prophet (SAW) and historic mosques scattered across Iran, Iraq, Syria, Jordan, Egypt, and other regions.

In Pakistan, particularly in travelogues, these sacred places have been frequently highlighted. Writers from Khyber Pakhtunkhwa, too, have contributed significantly by documenting their spiritual journeys and experiences at these sites. Women writers from the region have also played a vital role in capturing the sanctity and grandeur of the holy places in the Arabian Peninsula, Iran, Iraq, and Syria, leaving a lasting impression on their readers.

Among the reputable female travelogue writers, notable names include Qudsia Qudsi, Musarrat Jahan Khattak, Bushra Farrukh, Musharraf Mubashir, Atiya Parveen, Tabinda Farrukh, Nilofer Sami, Aftab Iqbal Bano, and Nusrat Naseem. Despite facing numerous challenges, these writers undertook sacred journeys, observing these places with deep reverence. They not only shared spiritually enriching insights with their audience but also provided valuable guidance for future pilgrims through their writings.

These travelogues hold immense religious and literary significance, serving as a useful resource for those planning to visit these sacred

places. Additionally, they act as a source of motivation for aspiring female writers in Khyber Pakhtunkhwa, encouraging them to explore and document their own travel experiences.

Key words: Sacred, spiritual, pilgrim, Medina, Makkah, travelogue, journey, reverence, religious, sanctity.

کائنات کی تخلیق کے ساتھ ہی خدااور انسان کا رشتہ جڑ گیا تھااور انسان نے ہر زمانے میں کسی نہ کسی صورت میں خدا کے وجود کو تسلیم کیا تھا، گاڈ، بھگوان، اوتار اور اس طرح کے دوسرے نام اور پھر ان تک رسائی کے لیے آگ، سمندر، پہاڑ اور اسی طرح کے طاقت ور مظاہر کی عبادت انسان کے روحانی تسکین کے ذرائع رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو اپنی توحید کی حقانیت کے لیے زمین میں بھیجااور دوسرے مذاہب کے پیروکاروں نے مذکورہ خداؤں کے ساتھ دیوی دیوتاؤں اور بتوں کو اپنے لیے باعث نجات قرار دیا۔یہی وجہ ہے مساجد کے ساتھ ساتھ کلیساؤں، مندروں، گوردواروں، آتش کدوں، معبدوں نے مقامات مقدسہ کی حیثیت اختیار کرلی اور ہر مذہب کے پیروں کاروں کو ان سے جذباتی تعلق اور انس پیدا ہو گیا اور ان کو اپنی روحانی بالیدگی کے لیے باعث نجات قرار دیا

روئے زمین پر مسلمانوں کے مقامات مقدسہ میں حجاز مقدس (مکہ معظمہ، مدینہ منورہ) کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اور دنیا بھر کے مسلمان انہیں شرف و تکریم کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ سعودی عرب کی طرح ایران کی سرزمین سے بھی اہل پاکستان کو بڑی عقیدت ہے۔اسی طرح عراق نہ صرف ایک تاریخی ملک ہے بلکہ اسے پیغمبروں کی سرزمین ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے اور وہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ ؓ اور ان کے فرزند ارجمند حضرت امام حسینؓ کے روضوں کے علاوہ کئی بزرگان دین کے آثار و مزارات ہیں۔ جن سے نہ صرف ہمارے اہل وطن بلکہ ساری دنیا کے مسلمان عقیدت رکھتے ہیں۔ سرزمین شام کی تقدیس و تکریم سے بھلا کون سا مسلمان انکار کر سکتا ہے۔ اسی طرح مصر، ترکی، افغانستان اور وسطی ایشیا کی اسلامی ممالک کے ساتھ حکومت پاکستان اور اہل پاکستان کے دیرینہ مراسم اور برادرانہ تعلقات ہیں۔

اتنی دلی وجذباتی قربت کی وجہ سے زندگی کے دیگر شعبوں کی طرح اردو ادب میں بھی ہمارے لکھاریوں نے نہ صرف ان ممالک کے مقامات مقدسہ کی زیارت کی بلکہ ان کے بارے میں خوب لکھا ہے۔ شعرا و ادبا نے اپنی تحریروں میں وہاں کے

مقدس مقامات سے اپنی والہانہ عقیدت کا اظہار کیا ہے بلکہ دیگر اصناف کے ساتھ ساتھ سفر ناموں میں بھی کے مقامات مقدسہ کے بارے میں گراں قدر معلومات اپنے قارئین کے ساتھ شریک کی ہیں۔ یہ سفر نامے خاص طور پر ان زائرین کے لیے ایک گائیڈ بک کی حیثیت رکھتے ہیں جو پہلی دفعہ ان مقامات کی زیارت کی خواہش رکھتے ہیں لیکن راستے کی مشکلات اور سفری سہولتوں کی عدم دستیابی کے خوف کی وجہ سے اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے سے قاصر ہیں۔

ایک مسلمان کے گھر میں بچپن ہی سے سرزمین حجاز مقدس کا ذکر تواتر کے ساتھ ہوتا ہے۔ نماز اور روزے کی طرح حج کی فرضیت اور فضیلت ہر جوان کے دل میں راسخ ہوتی ہے۔ اسی طرح یہاں کے لوگ ابتدا ہی سے ایران و توران کی کہانیوں سے آشنا ہونا پڑتا ہے۔ فارسی کے قصہ چہار درویش (باغ و بہار) کے تراجم جن سے اردو کے افسانوی ادب کی بنیاد پڑی اور ساتھ میں شیریں فرہاد، رستم و سہراب، جام جم اور اصفہان نصف جہان کے خوب صورت اضافے ہوئے۔ افسانوں اور ناولوں میں بھی ایران کے ذکر خیر سے کہانیوں کے تانے بانے بنے گئے اور لکھاریوں کے قد کاٹ میں اضافہ ہوا۔ ملک فارس کی طرح سرزمین عراق و شام کا ذکر بھی ہمارے ادب کا حصہ رہا ہے۔ اردو شاعری میں فارسی تراکیب اور ایرانی تلمیحات کے استعمال نے معنویت اور واقعیت پر مہر ثبت کر دی اور یہ سلسلہ ہنوز جاری و ساری ہے۔

ایک مسلمان مقامات مقدسہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی لیے ساری زندگی خواب دیکھتا ہے اور پھر اس کی تعبیر کے لیے دعائیں مانگتا رہتا ہے۔ جب اسے بلاوا آتا ہے اور وہ وہاں تشریف لے جاتا ہے اور خوب جی بھر کر مقامات مقدسہ کو دیکھنے کے بعد واپس آتا ہے تو اس کے رشتہ دار اور دوست احباب اس سے روداد سفر سننے کے لیے بے چین نظر آتے ہیں۔ ایک زائر وہاں کے آنکھوں دیکھے حالات جس طرح مزے لے لے کر بیان کرتا ہے، بالکل اسی طرح ایک سفر نامہ نگار ان چشم دید واقعات کو کاغذ پر منتقل کر کے انہیں اپنی اور آنے والی نسلوں کے لیے ایک گائیڈ بک کے طور پر محفوظ کرا دیتا ہے۔ ہمہ خورما ہمہ ثواب کے مصداق نہ صرف اس کا نام ادبی دنیا میں بھی محفوظ ہو جاتا ہے بلکہ وہ ایصال ثواب کا بھی متمنی ہوتا ہے۔

مقامات مقدسہ کے حوالے سے لکھے گئے سفر ناموں کے متعلق قدسیہ قریشی اپنی کتاب ''اردو سفر نامہ انیسویں صدی میں'' اپنی رائے کا اظہار یوں کرتی ہیں:

> ''اب تک جو مذہبی سفر نامے ملے ہیں ان میں ایک دو کو چھوڑ کر قریباً سب ہی سفر حج یا اسلامی مقامات مقدسہ کی زیارت سے متعلق ہیں، بعض مذہبی سفر نامے ہندو زیارت گاہوں سے متعلق بھی ہیں جو اندرون ملک کے سفر

اور حالات کو پیش کرتے ہیں"(۱)

قدسیہ قریشی کی یہ کتاب ۱۹۸۷ میں منظر عام پر آئی تھی، لیکن اس سے پہلے اور بعد کے گزشتہ ۳۸ سال میں حج کے علاوہ ایران، عراق اور افغانستان کے متعلق بھی سفر ناموں میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے

مقامات مقدسہ کا سفر ایک قلبی اور روحانی سفر ہوتا ہے کیونکہ زیارت کرنے والا وہاں ایک طرح کی قلبی واردات اور روحانی کیفیات سے گزرتا ہے۔اس لیے عام سفر ناموں اور مقدس مقامات کے بارے میں لکھے گئے سفر ناموں میں ظاہری اور باطنی کیفیات کا فرق ہوتا ہے۔ دیگر سفر ناموں کے مقابلے میں مقامات مقدسہ کے بارے میں جو سفر نامے لکھے جاتے ہیں ان میں جذبات واحساسات اور قلبی واردات کو اولیت جبکہ تاریخ، جغرافیہ، معاشرت اور تہذیب وتمدن کو ثانوی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

اردو سفر نامے میں سرزمین حجاز، ایران، عراق، ترکی، شام، مصر، فلسطین اور افغانستان کے اسفار اور وہاں کے مقدس مقامات کے آنکھوں دیکھے حالات وواقعات ہماری ادبی دنیا کے حسن وجمال میں اضافے کا باعث بنے۔ دیگر سفر نامہ نگاروں کے ساتھ ساتھ سید آفتاب عظیم نے "سوئے حرم" اور ممتاز مفتی نے "لبیک" میں مکہ مکرمہ جبکہ ابن انشا نے "ابن بطوطہ کے تعاقب میں" میں ایران کا مفصل احوال بیان کیا ہے۔

اردو کے ادبی اصناف کو جہاں حضرات نے اپنی تخلیقات، تصنیفات اور تالیفات سے ثروت مند بنایا اور ایک پھول کے مضمون کو سو رنگ سے باندھنے کی کامیاب کوششیں کر کے اس کا دامن وسیع سے وسیع تر کر دیا وہاں خواتین اہل قلم نے بھی اپنی تخلیقی کاوشوں سے ایسے گلہائے رنگ رنگ کھلا دیئے جن کی بو باس رہتی دنیا تک قارئین کی مشام جاں کو معطر کرتے رہیں گے۔

شاعری کے علاوہ کئی خواتین نے نثری اصناف میں بھی طبع آزمائی کر کے افسانے، ناول، ڈرامے اور سفر نامے لکھے اور اہل سخن سے داد حاصل کی۔ شروع شروع میں اردو ادب میں جن مستورات نے سفر نامہ لکھنے کی صنف کو قابل توجہ سمجھا، ان میں نواب سکندر جہان، نواب سلطان جہاں بیگم، بیگم سربلند جنگ بہادر، نازلی رفیعہ سلطان، عطیہ فیضی، بیگم صغرا ہمایوں، بیگم حسرت موہانی، شاہ بانو، محمدوہ عثمان حیدر کے نام قابل ذکر ہیں۔ لیکن اردو سفر نامہ کو عروج عطا کرنے میں

جہاں حضرات میں عطاالحق قاسمی ، ابن انشا ، جمیل الدین عالی ، اشفاق احمد ، حکیم محمد سعید اور مستنصر حسین تارڑ کی قلمی کاوشوں کو کافی عمل دخل حاصل ہے ، وہاں بیگم اختر ریاض الدین کی خدمات کو کسی بھی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، جنھوں نے ''سات سمندر پار'' لکھ کر خواتین میں جدید اردو سفر نامے لکھنے کے رجحان کو پروان چڑھایا، چنانچہ ان کی تتبع میں بہت نئی اہل خواتین اس صنف کی طرف متوجہ ہوئیں۔

خواتین سفر نامہ نویسوں کے متعلق ڈاکٹر بسمینہ سراج لکھتی ہیں :

'' اردو میں دیگر اصناف ادب مثلاً شاعری افسانہ ، ناول کے مقابلے میں خواتین کی تعدامہ نگاروں کی تعداد کافی کم ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ خواتین سفر نہیں کرتیں بلکہ اس کی وجہ فطری رجحان ہے۔اردو میں خواتین سفر نامہ نگاروں کے ضمن میں نازلی رفیعہ سلطان بیگم کی سیر یورپ کو اولیت حاصل ہے یہ سفر نامہ در حقیقت وہ خطوط ہیں جو انھوں نے سیر یورپ کے دوران اپنے بزرگوں کو ہندستان میں لکھے تھے۔اس کے بعد خواتین میں شاہ بانو، بیگم حسرت موہانی، بیگم اختر ریاض الدین، قرۃالعین حیدر، رضیہ فصیح احمد، نور الصباح بیگم ، پروین عاطف، کشور ناہید، سلمیٰ جبین، سلمیٰ شاہین، سلمیٰ اعوان کے نام لیے جا سکتے ہیں''۔(۲)

خواتین سفر نامہ نگاروں نے ہمت سے کام لیتے ہوئے وقتاً فوقتاً تھوڑا بہت ضرور تخلیق کیا اور یوں یہ سلسلہ جو شروع میں سست روی اور عدم توجہی کا شکار تھا بعد میں کئی نامی گرامی خواتین اس صنف کی طرف متوجہ ہوئیں یوں اس صنف کی کم مائیگی دور ہوتی گئی۔اردو کے سفر نامے کے ابتدائی زمانے کے متعلق ڈاکٹر مرزا حامد بیگ کی یہ رائے بھی بڑی اہم ہے :

'' دوسری سفر نامہ نگار خاتون بیگم سر بلند جنگ بہادر کا سفر نامہ '' دنیا عورت کی نظر میں '' ۱۹۱۰ میں شائع ہوا ۔اس سفر نامے کے عنوان سے ہی ظاہر ہے کہ اس زمانے میں مشرقی عورت یورپ کے تہذیبی مطالعے کو کس ودرا ہمیت دے رہی تھی۔یوں بیسویں صدی کے نصف اول کی ابتدا خواتین کے سفر ناموں میں یورپ کی جانب نظر اٹھا کر دیکھنے سے ہوئی اور اسے بھی ایک اتفاق کہہ لیں کہ اردو کی تیسری سفر نامہ نگار خاتون نے سفر نامہ حجاز قلم بند کیا اور یوں معلومہ دنیا تک رسائی کے جتن میں ہماری خواتین مرد حضرات سے پیچھے دکھائی نہیں دیتیں ''۔(۳)

پاکستان کے دوسرے حصوں کے برعکس صوبہ خیبر پختونخوا کے سخت گیر معاشرے میں تخلیق ادب سے وابستہ خواتین اکثر اوقات فرضی ناموں اپنی تخلیقات پیش کرتیں ، کیونکہ شعور کی کمی اور تعلیم کے فقدان کی وجہ سے معاشرے

میں خواتین کا اپنے نام ونشان کے ساتھ سامنے آکر لکھنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب شعور کی سطح بلند ہوگئی اور علم کی شمع سے لوگوں نے روشنی حاصل کی تو یہاں کے معاشرے نے بھی انگڑائی لی اور ترقی کے مدارج طے کرنا شروع کیے۔

نئی روشنی میں خواتین نفسیاتی گھٹن اور خوف کی فضا سے باہر آئیں اور فرضی ناموں کی بجائے اپنے اصلی ناموں کے ساتھ ہی ادب کی تخلیق میں مصروف ہوگئیں۔

جہاں تک خیبر پختونخوا میں خواتین سفر نامہ نگاروں کا تعلق ہے تو انتہائی نامساعد حالات اور ڈھیروں قدغنوں کے باؤجود ان خواتین نے اپنی نگارشات سے اس صنف ادب کو یہاں کی ادب خیز اور مردم خیز مٹی میں پنپنے کے لیے کسی نہ کسی طرح سازگار ماحول فراہم کیا۔ حالانکہ خواتین کے لیے یہاں بیرونی ملک کے اسفار تو کیا اندرون ملک کی سیر کرنا بھی اپنے جلو میں مشکلات کا ایک لامتناہی سلسلہ کے کر آتا ہے چہ جائیکہ پھر اس سفر یا سیاحت کی تفصیل لکھنا، پھر بھی چند دل گرفتوں نے اس صنف میں طبع آزمائی کی۔

جن خواتین نے یہاں سفر نامے لکھے ان میں قدسیہ قدسی، پروفیسر صبا جاوید، مشرف مبشر، ڈاکٹر سلمیٰ شاہین، عطیہ پروین، بشریٰ فرخ، آفتاب اقبال بانو، رفعت علی سید، تابندہ فرخ اور نصرت نسیم وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

لیکن اس ارٹیکل میں خیبر پختونخوا کی صرف ان خواتین کے سفر ناموں کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا جائے گا جنھوں نے مقامات مقدسہ کے متعلق سفر نامے لکھے ہیں۔

قدسیہ قدسی کا اصل نام قدسیہ بانو ہے۔ شعر گوئی کے علاوہ انھوں نے نثر کی طرف بھی توجہ دی اور دیگر شاعرات کے برعکس جن کا دھیان شعر گوئی کے بعد افسانے یا ناول کی طرف چلا جاتا ہے موصوفہ سفر نامے کی طرف راغب ہوئیں اور ایک نہیں بلکہ تین سفر نامے لکھ کر اپنے آپ کو یہاں کے اولین سفر نامہ نگار خواتین میں سر فہرست بنالیا ہے۔ان کا پہلا سفر نامہ ''گرد سفر''دوسرا''الخلیل والنخیل''اور تیسرا''اخضریں سرزمیں'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

ان کا پہلا سفر نامہ ''گرد سفر''ایران، عراق، ترکی، اردن، شام، اور انڈیا کی سیاحت پر مبنی ہے۔ یہ سفر نامہ ڈائری کی تکنیک میں تحریر کیا گیا ہے۔ اس کا سن اشاعت ۱۹۹۳ء ہے اور اور اس کی اشاعت کی ذمہ داری اکادمی افکار پشاور نے اٹھائی

ہے۔

''خیبر پختونخوا میں اردو ادب'' کے مصنف گوہر رحمان نوید اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

''۱۱۴ صفحات پر مشتمل اس سفر نامے کا آغاز ایران کے مقدس مقامات کی زیارت سے شروع ہوتا ہے۔ یہ ڈائری کی تکنیک میں لکھا گیا، جس میں مصنفہ کے ہم راہ شوہر اور بچے بھی ہوتے ہیں۔ ایران میں انھوں نے مشہد، طوس ،زاہدان اور قم شہروں کے مقدس مقامات کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا ہے''۔(۴)

قدسیہ نے تمام عمر کتاب اور درس وتدریس کے ساتھ گزارا ہے ۔انھوں نے ہمیشہ طلبہ وطالبات کی راہ نمائی کا فرئضہ سرانجام دیا ہے،اس لیے مذکوہ سفر نامہ بھی ایران کے مقدس مقامات کی سیر کرنے والوں کے لیے ایک گائیڈ بک کی حیثیت رکھتا ہے،تاکہ جو بھی زیارات مقدسہ کا قصد کریں،ان کے لیے مشکلات کم سے کم ہوں۔اس سفر نامے کے لکھنے کی وجہ وہ اس طرح بتاتی ہیں:

''مختلف ممالک کی ثقافت،آداب ورسوم جاننے کا شروع سے ہی شوق رہا ہے۔ میں سیاحت کا دعویٰ تو نہیں کرتی، چند ممالک کی سیر سے کوئی سیاح نہیں بن جاتا اور نہ ہی ان ممالک کے بارے میں تھوڑا بہت لکھنے سے سفر نامہ بن جاتا ہے۔ مگر میرے حلقہ احباب اور خیر خواہوں نے چاہا کہ میں اپنی ڈائری کو کتابی شکل دوں، جو تھوڑا بہت دیکھا ہے اسے ضبط تحریر میں لاؤں تاکہ دوسرے بھی مستفید ہو سکیں اور جو زیارات آئمہ طاہرین کا ذوق رکھتے ہیں ان کے لیے گائیڈ لائن مہیا کر سکوں''(۵)

سفر نامہ نگار نے اس سفر نامے میں چھے ممالک کی سیاحت کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا ہے لیکن ان میں اولیت ایران کو حاصل ہے اور اپنے موضوع کے قید کی وجہ سے اسی کو ہم یہاں زیر بحث لائیں۔

ایران کے جن شہروں کے بارے میں قدسیہ صاحبہ نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے ان میں تہران، مشہد، طوس، زاہدان اور قم شامل ہیں۔ مصنفہ کے سینے کے اندر چونکہ اہل بیت سے عشق کرنے والا دل دھڑک رہا ہے،اس لیے ان شہروں کے سیر کے دوران ان کی محبت کا عروج قابل دید تھا۔ انھوں نے اپنے شوہر کی معیت میں محرم الحرام کے دس دن وہاں گزارے ہیں اور محرم کے تمام جلوسوں میں بذات خود شریک ہوئی ہیں۔انھوں نے وہاں کے تاریخی مقامات کی سیر کے علاوہ مقامات مقدسہ کے بارے میں بیش بہا معلومات بھی پیش کی ہیں۔

امام رضاعلیہ السلام کے روضہ ءمبارک کے متعلق ان کا بیان مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے:

''روضہ ءاقدس امام رضا جسے امام ضامن ثامن، اور غریب الغربا کے اسم گرامی سے یاد کیا جاتا ہے، آج ان کی شان وشوکت اور دولت کا کیا کہنا۔ بڑے بڑے بادشاہوں کے خزانے ان کے عظیم خزانے کے سامنے ہیچ ہیں۔ ہر طرف سونا اور چاندی دکھائی دیتا ہے۔ ہر طرف خوب صورت جھاڑ، چھتوں پر شیشے کا بہترین اور نازک کام ہوا ہے ۔خوب صورت رنگوں سے خصوصاً نیلے رنگ سے نفیس بوٹے، پچی کاری اور کاشی کاری ہوئی ہے''( )

قدسیہ ایک بہترین قلم کار ہیں اس لیے ماضی کو حال کے آئینے میں دیکھنے کے فن سے بھی خوب واقف ہیں، اس لیے روحانی جذبے سے مقدس مقامات کی سیاحت کے بعد جب وہ مشہد کے عجائب گھر میں قدم رکھتی ہیں تو وہاں موجود نوادرات سے ان کا متاثر ہونا عین فطری ہے۔ شیر خدا حضرت علیؓ کے کرتہ مبارک کے علاوہ وہاں فارسی کے عظیم شعرا فردوسی، شیرازی اور غزالی کے علاوہ، مشہور مغل فرماں رواوں یعنی ہمایون اور زیب النسا کی قالینوں پر بنی ہوئی تصاویر دیکھ کر وہ یوں فرماتی ہیں:

''وہاں کا عجائب گھر دیکھا، عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ کیا کیا نوادرات ہیں، خوارزم شاہ کے زمانے کے قالین، ہتھیار، قالین اس قدر حسین کہ اسی میں مروارید (سچے موتی) سے کام لیا گیا ہے۔ حضرت امام رضاعلیہ السلام کے دست مبارک کی تحریریں خط کوفی میں لکھی ہوئی دیکھیں۔ نازک نفیس برتنوں سے لے کر قوی ہیکل دیگ تک سبھی کچھ موجود ہے۔ مجھے قالین بہت پسند آئے کیونکہ ان میں شاعری کی گئی تھی۔ بڑی محنت اور دل گردے کا کام ہے ۔بادشان وقت اور جنگجو لوگوں کی تصاویر بنی گئی ہیں۔''(۷)

ایران کے دارالحکومت تہران کی وسعت اور حسین راتوں کا ذکر بھی مصنفہ نے دل فریب انداز میں کیا ہے، انہیں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کسی نے پورے شہر کو برقی قمقموں سے منور کر رکھا ہے۔ یہاں ایک پہاڑی پر واقع محترمہ شہر بانو کا مزار ہے جو مرجع خاص وعام ہے اور لوگوں کی توجہ اور دل چسپی کا مظہر ہے، یہاں بہت رش ہوتا ہے۔ اسلامی انقلاب کے داعی امام خمینی کے روضے کے نظم وضبط نے بھی قدسیہ کی توجہ کھینچی ہے:

''بہت بڑا ہال ہے، مزار کی جالی چاندی کی اور اوپر سونے کے پتھروں پر آیات قرآنی کندہ کی گئی ہیں۔ مزار اقدس پر بچوں اور بچیوں کے الگ الگ جلوس نکل رہے تھے۔ چھوٹی چھوٹی بچیاں سیاہ لباس میں ملبوس نوحہ خوانی اور ماتم کر رہی تھیں۔ یہاں سب سے اچھی بات تنظیم ہے۔ ہر کام منظم طریقے سے ہوتا ہے، کوئی افراتفری نہیں ہوتی

(۸)"

قدسیہ قدسی کا دوسرا سفر نامہ "النخیل والنخیل" (۱۹۹۸)، ان کے سفر حج کے واقعات پر مشتمل ہے۔ یہ اٹھاون صفحات پر مشتمل سفر نامہ انیتس چھوٹے بڑے عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مصنفہ کا یہ سفر نامہ عقیدت واحترام کا مظہر ہے اور اس میں روحانیت کی روح رچ بسی ہے جسے پڑھ کر قاری کے دل میں بھی عصمت و پاکیزگی کا عکس جاگزیں ہوتا ہے ۔ان کی نظر جب خانہ خدا پر پڑتی ہے تو وہیں ان کی عقیدت کا جذبات کا پیمانہ چھلکنا شروع ہو جاتا ہے۔اور وہ کعبہ کی قدیم تاریخ کے ساتھ اپنی جذباتی وابستگی کا اظہار وہ یوں کرتی ہیں:

"اس پہلے گھر پر نظر پڑتے ہی بے اختیار زبان سے اللہ اکبر نکلتا ہے۔ دعاؤں اک ہجوم تھا، کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کون سی دعا پہلے کی جائے اور کون سی بعد میں۔ زبان گنگ تھی بس آنسو دعائیں بنے ہوئے تھے۔آج بیت اللہ ہمارے سامنے تھا جن کو ہم تصاویر اور ٹی وی پر دیکھتے ہیں آج اسے روبرو چھو کر دیکھ رہے تھے۔ کتنی قدیم تاریخ ہے اس گھر کے طواف کی۔اس معصوم بچے کی ایڑھیوں میں یا ان کے رونے میں کیا کمال تھا کہ فرشتے جبریل نے پر مار کر ایسا چشمہ جاری کر دیا کہ کروڑوں لوگ ہزاروں سال سے سیراب ہو رہے ہیں۔ سبحان اللہ، مامتا کی سعی اتنی پسند آئی کہ اسے شعائر اللہ میں شامل کر دیا، اس کے بغیر نہ عمرہ مکمل ہوتا نہ حج"(۹)

مدینے میں مسجد نبوی ﷺ کی عظمت و بزرگی، وہاں کے جنت البقیع کی شان اور دیگر زیارت کا ذکر بھی قدسیہ نے بڑی عمدگی سے کیا ہے۔ غزوہ خندق کے موقع پر جن خندق کھودی جارہی تھی تو آنحضرت ﷺ نے جس طرح ایک چٹان کو اپنے مبارک ہاتھوں سے ریزہ ریزہ کیا تھا اس کی یاد مصنفہ کو "مقام خندق" دیکھتے ہی آجاتی ہے اور پھر اس کے بارے میں یوں لکھتی ہے:

"حضور ﷺ نے اس خندق کے کھودنے میں بڑا کام کیا ہے۔اس میں چھے دن لگے۔اس میں ایک چٹان بڑی خراب اور غلط طریقے سے پڑی تھی۔آنحضرت ﷺ نے تین کدالیں مار کر اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ معلوم ہوا یہ خندق پچھلے تیس سال سے بند ہے، جبکہ اس سے پہلے یہ کھلی تھی اور حجاج کرام اس کی باقاعدہ زیارت کیا کرتے رہے تھے"(۱۰)

سفر نامہ نگار نے مختلف ممالک سے تشریف لائے حجاج کرام کے حلیوں اور خصلتوں کے بارے میں طنزیہ ومزاحیہ اسلوب میں دلچسپ معلومات سے اپنے پڑھنے والوں کو آگاہ کیا ہے۔ یہ قلمی تصویریں اور حلیہ نگاری اس بات کو ظاہر کرتی ہے

کہ مصنفہ کو خاکہ نگاری پر بھی عبور حاصل ہے:

''یہ اونچے اونچے حبشی بلالؓ کی قوم اللہ جانے کس چیز سے بنے ہیں (بقول عابد) عجیب عجیب ڈرامے ہیں۔ کسی نے سر پر ہی پورے پورے گل دستے لگائے ہوئے ہیں، کسی نے صرف چھوٹی سی کتر (لیر) لگائی ہوتی ہے، کسی نے پھندے لٹکائے ہوئے ہیں، کچھ عورتوں نے عجیب و غریب پردہ کیا ہوا ہے۔ ٹوپی والے برقعے میں بغیر جالی یا سوراخ کے پتہ نہیں چلتا کہ منہ آگے ہے یا پیچھے۔''( )

قدسیہ نے سعودی حکومت کے انتظامات کو حدف تنقید بنایا ہے۔ کہیں کہیں ان کا رہوار قلم بھٹک گیا ہے اس لیے ان کی تحریر پر مبالغے کا رنگ چڑھ گیا ہے اور صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ بلاوجہ تنقید کر رہی ہیں۔ سفر نامہ کے وہ صفحات جس میں پاکستانی، بنگالی اور ہندستانی حجاج کرام اور مصری، ایرانی اور الجزائری حجاج کرام کے درمیان امتیازی سلوک اور آخر الذکر حاجیوں کو زیادہ سہولیات دینے کے گلے شکوے کے بعد سعودی حکومت کی دوران حج وفات پانے والی حجاج کی میتوں کے کفن دفن کے عجیب و غریب طریقہ ءکار اور مردے کی حرمت کے متعلق سنی سنائی باتوں پر یوں یقین کر لیتی ہیں:

''یہاں کوئی دن ایسا نہیں جب تین چار جنازے نہ آتے ہوں، ہر نماز میں نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ پہلے میں یہ خواہش کرتی تھی کہ ایسی متبرک جگہ پر دم نکلنا چاہیے، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ جگہ متبرک ہے مگر میت کے ساتھ سلوک برا کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی مر جائے تو اس کے لواحقین کو بعد میں اطلاع دیں گے، انہیں ڈھونڈنے کی زحمت بھی نہیں کرتے۔ گرم گرم مردے کو نہلا دیا جاتا ہے۔۔۔ میت کو اپنے ملک لے جانے کی اجازت بھی بڑی مشکل سے ملتی ہے۔ سنا ہے جب یہاں کوئی حاجی مر جاتا ہے تو اسے ایک ایسے گڑھے میں ڈال دیتے ہیں یعنی بہت سی لاشیں ایک گڑھے میں ڈالتے رہتے ہیں۔ جب لاشیں گل سڑ جاتی ہیں تو حبشی عورتیں ہڈیاں لے جاتی ہیں اور مختلف کام میں لاتی ہیں۔ یہ ہے یہاں مردے کی عزت و حرمت''۔(۲)

اس طرح کے بیانات سے سفر نامے کی اصلیت متاثر ہوئی ہے۔ لیکن مجموعی طور پر قدسیہ کی تحریر میں اپنائیت اور رچاؤ موجود ہے جو ایک کامیاب سفر نامے کے لیے انتہائی ضروری ہے۔

مسرت جہاں خٹک نے حج کا ایک سفر نامہ ''خوشبوؤں کے دیس میں محبتوں کا سفر'' کے نام سے ۱۹۹۸ء میں تحریر کیا، جسے ادارہ ابلاغ نے شائع کیا۔ اس سفر نامے میں مسرت کا ان چالیس دنوں کے سفر حج کے حالات کی لفظی تصاویر ملتی ہیں جو انھوں نے دیار نبی ﷺ میں گزارے تھے۔ یہ سفر نامہ ڈائری کی تکنیک میں لکھا گیا ہے اور اس میں مختلف واقعات کو تیرہ

عنوانات کے تحت تقسیم کیا گیا ہے۔ مصنفہ نے قلب و نظر اور عشق و وارفتگی کے رنگ میں ڈوب کر فضائل، مناسک حج اور وہاں کے شب و روز کے واقعات بھی لکھے ہیں۔

مشہور افسانہ نگار و سفر نامہ نگار بشریٰ رحمان اس سفر نامے کے پیش لفظ میں لکھتی ہیں:

"وہ اس سفر کی چھوٹی سے چھوٹی تفصیل بتاتے وقت وارفتہ ہو جاتی ہیں۔ ان کا سفر نامہ پڑھتے وقت یہ احساس ہوتا ہے کہ ذہنی طور پر وہ ابھی وہی ہیں، اسی زمین پر بیٹھی ہیں، انہی ستونوں سے ٹیک لگا رکھا ہے، وہی مسجد کی صفیں ہیں جو ماں کی طرح گود میں بٹھائے دلاسہ دے رہی ہیں۔ ان کے سفر نامے میں ایک سرخوشی کی کیفیت سی ملتی ہے جیسے وہ اپنی منزل پر پہنچ کر سرشار ہو گئی ہوں" ۔(۱۳)

یثرب کی گلیاں جو حضرت محمد ﷺ کی آمد کی وجہ سے مقدس و مکرم ہو گئیں اور وہاں کے لوگ بھی عزتوں سے سرفراز ہو گئے۔ مدینے کی گلیوں کی عظمت کے بارے میں مسرت جہاں خٹک سفر نامے میں اپنے جذبات کا اظہار یوں کرتی ہیں:

" اے مدینے کی گلیو! تمہاری بھی کیا شان ہے۔ تمہارے فرش کتنے نرم اور دلوں کو کیسے ٹھنڈک پہنچانے والے ہیں۔ جب ہی تو لوگوں کے جوتے گم ہو جائیں تو خوش ہوتے ہیں کہ چلو پیدل چلنے میں کوئی عارت محسوس نہیں کرتے، کسی کو برا نہیں لگتا کہ یہ بڑے قسمت والوں کو ہی نصیب ہوتا ہے، یہاں کی ٹھنڈی ٹھنڈی پر مہک ہوائیں کسی کسی کو نصیب ہوتی ہیں، پھر کیوں نہ گدا بن کر ان گلیوں میں گھوم پھر لیا جائے، ہاتھوں میں کشکول ہو اور بھیک مانگی جائے۔ اللہ سے اپنی رحمت خاص کرا اور اپنے محبوب کے صدقے مغفرت کی"۔(۱۴)

مصنفہ کے اس سفر نامے کی ہر سطر عقیدت و احترام کی گواہ ہے۔ انھوں نے ایک بے تاب زائر کی طرح مناسک حج اور احکام حج کے بجالانے میں جہاں کوئی کسر نہیں چھوڑی وہاں ہر مقدس مقام کو انسانی آنکھ سے دیکھنے کے ساتھ روحانی آنکھ سے بھی ملاحظہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ حجر اسود کے ساتھ اپنی جذباتی وابستگی کے ذکر کے ساتھ مسرت جہاں آقائے نام دار ﷺ کے ساتھ اپنی والہانہ دل بستگی کا ذکر یوں فرماتی ہیں:

" لوگوں یہ پتھر نہیں ہے یہ حجر اسود ہے لوگ جان کی بازی لگا کر اس پتھر تک پہنچتے ہیں، اسے بوسہ دیتے ہیں،

اس سے ماتھا رگڑتے ہیں، اس کا دیدار کرتے ہیں۔ تم لاکھ کتابوں میں چھاپو اس دھکم پیل کو حرام سمجھو۔ ہزاروں درس دیتے رہو، لیکن اس پتھر کی اہمیت ہمیں معلوم ہے، اس پتھر کی اہمیت مسلمان جانتے ہیں۔ یہ تو وہ پتھر ہے جسے آپ ﷺ کے مبارک ہو ہاتھوں نے چھوا ہو گا، یہ تو وہ پتھر ہے جسے آپ ﷺ نے کئی بار چوما ہو گا۔ ہم نے حجر اسود کا بوسہ لیا تو ہم نے تو آپ ﷺ کے مبارک ہاتھوں کے لمس کا بوسہ لے لیا تھا، ہم نے تو آپ ﷺ کی مبارک نظروں کا بوسہ لے لیا تھا، ہم نے تو آپ ﷺ کے بوسے کا بوسہ لے لیا تھا''۔(۱۵)

مسرت جہاں خٹک نے اس سفر نامے میں اسلوب کے جملہ لوازمات کا خاص خیال رکھا ہے اور بڑی عمدہ زبان و بیان سے اپنا مطمع نظر بیان کیا ہے۔ بعض مقامات پر اشعار کا بر محل استعمال بھی مصنفہ کے اعلیٰ شعوری ذوق پر دال ہے۔ مجموعی لحاظ سے یہ بڑا اچھا سفر نامہ ہے جس میں حجاز مقدس کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے، اس سے مصنفہ کے ایمانی جذبے اور اس سرزمین پاک سے دلی وابستگی کا بھرپور اظہار ملتا ہے۔

مشرف مبشر کا اصل نام مشرف جبیں ہے۔ خیبر پختونخوا کی ادبی دنیا میں مشرف مبشر کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ افسانوی ادب میں شہرت حاصل کرنے کے انھوں نے سفر نامے کے صنف کی طرف بھی توجہ دی اور یہاں بھی بڑی سہولت کے ساتھ کامیابی کے مدارج طے کیے۔ سفر نامے کی صنف میں ان کے تین سفر نامے شائع ہو چکے ہیں۔ جن میں پہلا سفر نامہ ''بوستان ایران'' دوسرا ''ویلز: دل آویز'' اور تیسرا ''ولایت چلتے ہیں'' کے عنوان سے زیور طبع سے آراستہ ہوا۔

۲۰۱۶ء میں حکومت ایران کی دعوت پر مشرف مبشر ے ایران کا سفر اختیار کیا تھا، ''بوستان ایران'' دراصل ان کی اس سیاحت کا دستاویزی ثبوت ہے۔ اس سفر کے ٹھیک دو سال بعد یعنی ۲۰۱۸ء میں یہ سفر نامہ منظر عام پر آیا۔ اس سفر نامے کے کل صفحات ۲۲۱ ہیں جن میں مختلف واقعات کو ۳۷ عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس سفر نامے کا فارسی زبان میں ترجمہ ۲۰۲۱ء میں شائع ہوا جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ایک کامیاب سفر نامے لکھنے کے لیے سفر نامہ نگار کا صاحب اسلوب ہونا لازمی ہے۔ اسی طرح منظر نگاری اور محاکات نگاری ایک اچھے سفر نامے کی خوبیاں شمار ہوتی ہیں۔ اس سے نہ صرف اس دیس کے گل و گل زار کے بارے میں پتا چلتا ہے بلکہ بعض اوقات تو اس کی بو باس سے سفر نامے کے صفحات تک معطر ہو جاتے ہیں اور قاری اپنے آپ کو خوشبوؤں

میں گھر ہوا پاتا ہے۔ اگر اسی تناظر میں ''بوستان ایران'' کا جائزہ لیا جائے تو اس میں ایران کے بوستانوں اور گلستانوں کا تذکرہ بڑی عمدگی سے کیا گیا ہے اور مصنفہ نے مشہد مقدس کی سحر انگیز صبح کا نظارہ یوں پیش کیا ہے:

'' سحر کا سحر آفریں سماں۔۔ گہرے سکوت کے بعد، کائنات کا انگڑائی لیتے ہوئے جاگ اٹھنے کی کسمساہٹ میں عجیب روح پرور کیفیت تھی۔ مشہد مقدس کے اس سحر کی صبیح و ملیح روح پرور لمحات میں ایک نامحسوس ملکوتی نور بسا تھا۔ کوسٹر مشہد ریلوے اسٹیشن کی سادہ اور خوب صورت عمارت کے سامنے ٹھہر گئی۔ نئی زمین اور نیا ماحول نظروں کے سامنے تھا۔ ایک ایک زاویہ اور ایک ایک لمحہ دل و دماغ کے کینوس پر اتر رہا تھا''( )

جوں جوں آپ سفر نامہ پڑھتے جائیں سفر نامہ نویس کے قلم کی روانی اور جولانی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ بڑے ادبی خلوص کے ساتھ قاری کو انگلی سے پکڑ کر پورے منظر کی سیر کراتی ہے۔ یوں لگتا جیسے کوئی رومانوی افسانہ نگار محاکات نگاری سے اپنے افسانے کے حسن میں اضافہ کر رہا ہے اور تھوڑی دیر بعد اس منظر میں سے ہیروئن یا ہیرو نمودار ہو گا اور پورے منظر کے حسن کو چار چاند لگا دے گا:

'' آنکھوں میں اشک لیے ایک دوسرے کے ہاتھ تھامے سکتے کی کیفیت میں تھے کہ اچانک گلوب کے اندر روشنیاں پھوٹ پڑیں۔ منظر یکسر تبدیل ہو گیا تھا۔ پرندوں کی چہچہاہٹ اور نغمگی فضا میں رس گھولنے لگی۔ نیلا آسمان نقرئی ہو گیا۔ ہر سو سرسبزگی و شادابی پھیل گئی۔ ہرے بھرے قطعات پر بکریاں اور میمنے پھدکتے اور کلکاریاں بھرتے نظر آنے لگے۔ راکھ سے نیا شہر آباد ہو گیا تھا''(۱۷)

مشرف مبشر نے اپنے معجز رقم قلم سے اس سفر کا ایک یادگار سفر نامہ تحریر کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے اور اس میں اپنا زور بیان صرف کر دیا ہے۔

سفر نامے کے اس وصف کے متعلق ڈاکٹر بسمین سراج یوں فرماتی ہیں:

''دوران سفر نظر آنے ہر خاص و عام منظر کو سیاح بڑے غور سے دیکھتا ہے۔ مشرف مبشر کی بھی یہ عادت ہے کہ وہ اپنی نظریں سڑکوں اور چوراہوں پر رکھتی ہیں، تاکہ کوئی منظر ان کی آنکھوں سے اوجھل نہ رہ جائے۔ ان منظر کی عکاسی پھر بڑے خوب صورت انداز میں کرتی ہیں۔ پڑھنے والوں کے لیے دل چسپی کا باعث بن جاتا ہے''(۱۸)

ایک کامیاب سفر نامہ نویس کے لیے یہ لازمی ہے کہ وہ بیرونی مناظر کی خوب صورت تصاویر بنانے اور محاکات کے رنگوں سے اپنے سفری مقامات کو لفظی تصویروں میں منقش کرنے کے ساتھ ساتھ اس علاقے یا شہر کے اندرونی مناظر کے

سے بھی قاری کو روشناس کرائے۔ یہاں مصنفہ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اگر لکھنے کا ہنر آتا ہو تو بے جان چیزوں میں بھی جان ڈال سکتا ہے اور ان میں زندگی کی روح دوڑا سکتا ہے۔

مشرف ایران کی ایک لائبریری کا اندرونی منظر نامہ یوں پیش کرتی ہیں:

" تہران کی اس قومی لائبریری میں کتب کی تعداد کم از کم ستر ہزار ۷۰۰۰۰ تک ہے۔ان کتب میں لاطینی ،انگریزی، عربی، فارسی، ترکی، اردو وغیرہ غرض دنیا کی اہم زبانوں کے ادب موجود تھے۔ پاکستان کے بین الاقوامی شاعر ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کی تخلیقات، ایران کے تمام کتب خانوں میں موجود ہیں۔اس قومی کتب خانے میں بھی ان کا تمام تر شعری، ادبی، سیاسی، اقتصادی موضوعات پر مبنی ورثہ موجود ہے۔ مگر اردو ادب کے حوالے سے نمایاں اور تسلی بخش ذخیرہ کتب کی کمی محسوس ہوئی۔اس کوتاہی کی ذمہ داری پاکستانی متعلقین پر ہے"(۱۹)

ایران کے مقدس شہر مشہد کے بارے میں لکھتے ہوئے مشرف نے بڑی کم مائیگی اور خجالت محسوس کیا کیونکہ ان کے پاس اہل بیت کے بارہ اماموں کے بارے میں بہت کم معلومات تھیں، اسی طرح امام علی رضا اور مشہد کے تعلق کے بارے میں بھی ان کے پاس معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ یہاں اہل بہت کے ذکر سے ان کا جزبہ ایمانی غالب آگیا۔انھوں نے لکھاری اور قاری کے باہمی تعلق پر بھی روشنی ڈالی ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ تخلیق کار کو بہر صورت اپنے پڑھنے والے تک بھترین انداز میں معلومات پہنچانی چاہیے ورنہ دونوں کے درمیان خلا پیدا ہو جاتا ہے جس سے تحریر کی افادیت بری طرح متاثر ہو جاتی ہے:

"اہل بیت اور بارہ اماموں سے محبت وعقیدت میں تو کوئی کلام نہیں کہ مومن مسلمان کے اصل جوہر ہیں۔البتہ امام علی رضا اور مشہد مقدس کے جوڑ کا کوئی علم نہ تھا ۔اپنی اس لاعلمی کا اعتراف کرنے میں عار تو ہے ہی ۔۔۔ندامت بھی ہے۔ شعور وآگہی تو اس شہر مقدس میں آکر حاصل ہوئی۔ کیوں نہ اپنے قاری کے ساتھ وہ ساری باتیں شیئر کر لیں کہ جن کا علم اپنی عمر فانی کے کزاں رسیدہ دور میں ہوا۔جذبات واحساسات دوسرے کے ساتھ بانٹنا فطرت انسانی ہے۔اسی تقاجائے فطری کی بناپر قاری کے ساتھ کچھ شیئر کرنے کی آرزو پیدا ہوئی۔ لکھاری اور قاری کا رشتہ وقتی سہی مگر اس کی اہمیت سے انکار بھی نہیں"(۲۰)

اہل بیت کے بارے میں اپنی لاعلمی پر مصنفہ پریشان بھی ہیں اور پشیمان بھی، اس لیے انھیں اہل بیت کا بارے میں جتنی بھی معلومات ملی ہیں انھیں بلا کم وکاست قارئین تک پہنچانے میں انھوں نے کسی تامل کا مظاہرہ نہیں کیا۔انھوں نے

امام علی رضاؑ کے شجرہ نسب کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کر کے قاری کو اپنے نقطہ نظر سے آگاہ کیا ہے اور اس کے ساتھ اپنی معلومات یوں شریک کی ہیں:

> ''آپؑ کا نام علی بن موسیٰؑ کاظم بن جعفرؑ صادق بن محمد باقر بن علی زین العابدینؑ بن حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالب، ان کا شجرہ نسب ہے۔آپ ۱۴۸ ہجری میں مدینہ منورہ میں متولد ہوئے اور ۲۰۳ ہجری میں خراسان کے ایک مضافاتی قصبے سناباد میں شہادت پائی۔آپ مذہب شیعہ کے آٹھویں امام ہیں،آپ کی اولاد کو رضوی کہا جاتا ہے۔آپ کی بزرگی وعظمت کا اعتراف تمام اہل سنت اور اہل تشیع نے کیا ہے''(۲۱)

ڈائری کے انداز میں لکھے گئے اس سفر نامے میں ہر عنوان سے پہلے تاریخ لکھ دی گئی ہے لیکن سفر نامہ نگار کے افسانوی انداز نے اس میں بیانیہ انداز کی مٹھاس بھر دی ہے ۔ مشرف مبشر نے موازنہ کی تکنیک کو بھی بڑی عمدگی سے استعمال کیا ہے۔جب وہ اہل ایران کی پانی مٹی سے محبت،خواتین کی لگن،ایران کے عوام کی نفاست پسندی اور کتب بینی کے شوق کا موازنہ جب اپنے دیس کے لوگوں کے ساتھ کرتی ہیں تو ان کا دل بہت اداس ہو جاتا ہے کیونکہ یہاں کا ہر ادارہ بلکہ زندگی کا ہر شعبہ زوال کی داستان سنا رہا ہے۔ایران کے ترقی یافتہ اداروں کے برعکس ہمارا تعلیمی نظام، ریلوے کا نظام اور پوری معیشت مکمل طور پر تباہی و بربادی کا عکس ہے۔

اگر مجموعی لحاظ سے دیکھا جائے تو مشرف مبشر کا یہ سفر نامہ سرزمین ایران کے بارے میں تحریر کیے گئے خواتین کے دوسرے سفر ناموں کے مقابلے میں قدرے نہیں بلکہ بہت بہتر ہے۔یہ زبان و بیان اور املا و نشا کے مسائل کی بجائے وسائل سے مالا مال ہے،اس کی عبارت میں روانی اور الفاظ میں تازہ کاری ہے جس پڑھنے والا بے زاری اور اکتاہٹ کا شکار نہیں ہوتا۔یہی چیزیں مشرف مبشر کو ایک مہان تخلیق کار اور ایک بھترین سفر نامہ نگار کے طور پر سامنے لاتی ہیں۔

بشریٰ فرخ کا اصل نام بشریٰ شاہین ہے۔عام طور پر ان کی ادبی پہچان کا سب سے بڑا حوالہ شعر گوئی ہے۔لیکن انھوں نے نثر میں ایک سفر نامہ ''خمینی کے ایران میں'' کے نام سے لکھا ہے۔اس سفر نامے کو تیس(۳۰) عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مصنفہ نے آغاز میں ایران جانے سے پہلے ایک کانفرنس میں پیش کیے جانے والے مقالے کے لکھنے کے لیے اپنی سعی و کوشش کا ذکر کیا ہے۔ایرانی قونسل جنرل آقائے ذاکری کی تاکید اس سفر کا محرک بنی۔ سفر نامہ نویس کو روانہ ہونے سے پہلے جن مراحل سے گزرنا پڑا، جن جن کے پاس جانا پڑا،تب کہیں جا کر یہ سب کچھ ممکن ہوا،انھوں نے یہ سب واضح طور پر

تحریر کیا ہے۔

ایران کے روحانی دارالخلافے یعنی شہر قم کے بارے میں جذبات سے مملو معلومات بشریٰ فرخ نے نذر قارئین کی ہیں ۔اسی شہر میں انقلاب کا منبع پھوٹا جس نے تحریک کی صورت اختیار کرلی اور شاہ ایران کے ظالمانہ اقتدار کے خلاف بغاوت کا غلغلہ بلند ہوا۔ یہیں سے امام خمینی نے اپنے فیصلہ کن تحریک کا آغاز کیا تھا:

> ''شہر قم جو ایران کا علمی اور روحانی دارالخلافہ ہے۔آہستہ آہستہ شہنشائیت، آمریت اور لادینیت کے خلاف جدوجہد کا مرکز بنتا چلا گیا ۔یہی شہر ہے جہاں سید خمینی نے ۱۹۶۲ میں مغرب کی ریشہ دوانیوں اور بادشاہت کے خلاف آخری اور فیصلہ کن تحریک شروع کی۔ جس کے جواب میں قم کے رہنے والوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے ۔قم کے دینی مرکزی مدرسہ فیضیہ پر کمانڈوز پولیس اور سادہ لباس میں ملبوس خفیہ اداروں کے لوگوں نے ایسا حملہ کیا، جس نے چنگیز خان کی یاد تازہ کردی''(۲۲)

مصنفہ نے ایران کے روحانی پیشوا امام خامنہ ای سے ملاقات اور ان کے موثر خطاب کا ذکر بھی بڑی عمدگی کے ساتھ کیا ہے ۔انھوں نے بڑے پروقار لہجے میں پہلے مختلف ممالک سے کانفرنس میں شریک خواتین کا شکریہ ادا کیا اور بعد میں مسلم ممالک میں خواتین کا ذکر کیا ہے جن کو ڈکٹیٹروں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔اس کے بعد انھوں نے اپنی روح افزا خطاب میں مسلم ممالک کی تباہ حالی کے متعلق بھی سب کو اپنی طرف متوجہ کیے رکھا۔انھوں نے مسلمان خواتین کو عالمی سامراج کے خلاف اپنا کردار ادا کرنے کی تلقین کی اور کہا کہ اب آپ نے آگے بڑھ کر ان کی ریشہ دوانیوں کے آگے بند باندھنا ہے۔

سفر نامہ نگار نے ارض ایران کے بارے میں بھی اپنے پڑھنے والوں کو آگاہی بخشی ہے۔۱۸۷۳۹۵۹ مربع کلو میٹر پر پھیلا ہوا یہ ملک قدامت وجدت کا نمونہ ہے ۔ایران کا لفظ آریانہ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ''آریاؤں کی سرزمین'' ۔صدیوں پہلے یہاں کے لوگ آتش پرست تھے اور ان کا مذہب زرتشتی تھا اور سب بے محابا آگ کی پوجا کرتے تھے ، لیکن اسلام کی آمد کے بعد ایران لوگ مسلمان ہوئے اور آتش کدے ٹھنڈے ہوگئے۔ اس لیے آج اسلام ہی ایران کا سرکاری مذہب ہے۔وہاں ۹۸:۵ فیصد شیعہ رہتے ہیں۔ان کے علاوہ دیگر مسالک اور اقلیتیں بھی موجود ہیں۔

پہلے بشریٰ کی شیعہ مسلک کے بارے میں معلومات بہت کم تھیں۔بعد میں مصنفہ کی ساری غلط فہمیاں دور ہوگئیں ۔خانم ان کی ٹور گائیڈ تھی جس نے شیعہ مسلک کے بارے میں مصنفہ کو معلومات بہم پہنچائیں، اور اہل تشیع کے بارے میں

ان کے جو خیالات تھے، وہ سب کچھ اس کے برعکس نکلا۔ بہت ساری غلط فہمیاں کم علمی اور لاعلمی کے سبب وجود میں آتی ہیں اس لیے کسی کے بارے میں غلط رائے قائم کرنے سے پہلے تحقیق بہت ضروری ہے۔ اس کے بارے میں سفر نامہ نگار نے خانم کو بتایا:

> ''اس طرح شیعہ مسلک میں بھی کافی فرقے ہیں۔ لیکن دو مرکزی فرقے ہیں جن میں سے ایک اہل بدعت اور دوسرے اہل سنت ہیں۔ اہل بدعت صفوی اور اہل سنت علوی شیعہ کہلاتے ہیں۔ علوی شیعہ تمام صحابہ کرامؓ کو مانتے ہیں اور ان کا احترام کرتے ہیں۔ صرف فضائل و مناقب کی وجہ سے حضرت علیؓ کو دیگر صحابہؓ پر فوقیت دیتے ہیں اور ظاہر ہے یہ خالصتاً عقیدت کا مسئلہ ہے''(۲۳)

سفر نامے کے ایک ایک صفحے سے پتا چلتا ہے کہ بشریٰ فرخ ایک راسخ العقیدہ مسلمان خاتون ہے۔ انھوں نے سفر و حضر دونوں حالتوں میں اپنے کریم رب کے ساتھ اپنا تعلق استوار کیے رکھا، باقاعدگی سے نماز کی ادائیگی کو اپنا شعار بنایا اور اسی عبادت نے ان کی تمام سفری مشکلات کو آسان بنایا۔ اکثر ہماری خواتین جب کسی محفل یا تقریب میں جاتی ہیں تو وہاں کی چکاچوند میں فرض نماز کی ادائیگی بھی بھول جاتی ہیں۔ خاص طور پر شادی بیاہ اور اس طرح خوشی کی دیگر تقاریب میں انہیں نماز شکرانہ پڑھنا تو دور کی بات فرض نماز کے ادا کرنے کی توفیق بھی نہیں ملتی۔ لیکن اس فرض کی ادائیگی میں مصنفہ بہت خوش قسمت واقع ہوئی ہیں۔ دوران سفر اور قیام میں انھوں نے اپنے افعال کے ساتھ اعمال سے بھی غافل نہیں رہیں اور یاد الہیٰ کو اپنے دل میں بسائے رکھا۔ یہی عبادت ان کے لیے باعث راحت وانبساط ثابت ہوا۔ ایک رات جب دیر تک جاگنے کے بعد وہ دل میں یہ ارادہ کر لیتی ہیں کہ صبح اگر دیر تک سوتی رہی اور نماز قضا ہو گئی تو بیدار ہوتے ہی قضا پڑھ لوں گی، اس کا ذکر یوں کرتی ہیں:

> ''آپ یقین کیجیے کہ میں ۳۰: ۴ تک جاگتی رہی۔ ہزار کوشش کی لیکن نیند تھی کہ آنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی تاآنکہ مسجد سے آذان کی آواز بلند ہوئی اللہ اکبر، اللہ اکبر، اور میں اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے بستر سے اتر آئی کہ اللہ پاک نے شیطان کی چال کو ناکام بنا دیا اور میری نماز قضا ہونے سے بچ گئی اور نماز کے بعد جب صرف ایک گھنٹے کی نیند لے کر اٹھی تو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے پوری رات مزے کی نیند سوتی رہی ہوں۔ اپنی نماز نہ پڑھنے کے ارادے پر شرمندگی اور افسوس ہوا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے کرم پر یقین اور پختہ ہو گیا''(۲۴)

اسی طرح انہیں اہل ایران کی یہ بات بہت بھا گئی ہے وہ یہ ہے کہ وہاں ہر کام کی شروعات درود پاک سے کی جاتی ہے، جو آقائے نام دار حضرت محمد ﷺ سے بے پناہ عقیدت کا اظہار ہے۔اس عمل سے نہ صرف اس کام میں خیر و برکت کا عمل دخل بڑھ جاتا ہے بلکہ اس کا خاتمہ بھی بلا خیر ہو جاتا ہے۔درود پاک پڑھنے سے عبادت کی قبولیت پر بھی مہر ثبت لگ جاتی ہے اور اس دعا کے رد ہونے کے امکانات بھی معدوم ہو جاتے ہیں۔

ایک سو پینسٹھ صفحات کا سفر نامہ ''خمینی کے ایران میں'' کی سیٹنگ بڑی بے کار ہے۔کمپوزنگ کرنے والے نے بیگار کیا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے پبلشر نے اس سے جان چھڑانے کی کوشش کی ہے۔اس کے آغاز میں ضابطہ موجود ہے نہ اس پہ سن اشاعت درج ہے۔پیش لفظ پہلے اور فہرست بعد میں دی گئی ہے۔جہاں طباعت کے نیچے ایک جگہ پر سکائی ویژن لکھا ہوا ہے اور اس کا ٹیلیفون نمبر درج ہے۔

ڈاکٹر بسمین سراج نے سفر نامے کی اس خامی کے متعلق رقم طراز ہیں:

> ''اس سفر نامے کی ایک خامی ہے وہ یہ ہے کہ اس سفر نامے کا آغاز پیش لفظ سے ہوتا ہے۔پیش لفظ کے بعد فہرست ہے۔نہ سال اشاعت ہے نہ ہی مطبع کا کوئی واضح پتا ہے کہ کہاں سے کتاب شائع ہوئی ہے۔نہ ہی قیمت خرید لکھی ہے''(۲۵)

سفر نامے میں مصنفہ کو جگہ جگہ گرمی کی شدت بھی بہت ستاتی ہے،اس لیے وہ جہاں کہیں بھی اے سی کی ٹھنڈک دیکھتی ہے اس کا ذکر لے آتی ہے۔اس طرح کی تکرار سے اس سفر نامے کی عبارت بہت متاثر ہوئی ہے۔مثال کے طور پر پہلے صفحے میں جب ان کو خانہ فرہنگ آنے کی دعوت ملتی ہے اور وہ سخت گرمی میں وہاں جانے میں پس و پیش سے کام لیتی ہے تو اس وقت اپنے جذبات یوں بناتی ہیں:

> ''نہ چاہتے ہوئے بھی تیار ہو کر ٹھنڈے کمرے سے نکلنا پڑا کہ آدھے گھنٹے میں امداد گاڑی لے کر دروازے پر کھڑا تھا۔ایئر کنڈیشنڈ گاڑی میں بیٹھتے ہی فرحت کا احساس ہوا اور امداد نے بیس منٹ میں حیات آباد سے صدر پہنچا دیا ۔خانہ فرہنگ میں نسرین اپنے کمرے میں بیٹھی میرا انتظار کر رہی تھی۔آقائے ذاکری تک پہنچنے میں مزید ایک منٹ لگا اور دوسرے منٹ میں آقائے ذاکری کے نفاست سے سجے ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں بیٹھے ٹھنڈے مشروب سے لطف اندوز ہو رہے تھے''(۲۶)

اسی طرح کی تکرار صفحہ ۱۲ پر بھی موجود ہے جب وہ ایک بار پھر آقائے ذاکری کے خنک کمرے میں بیٹھ کر تازہ جوس کے مزے لیتی ہے:

''اور تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد ایک بار پھر میں آقائے ذاکری کے خنک کمرے میں بیٹھی فریش جوس سے لطف اندوز ہو رہی تھی''(۲۷)

بشریٰ فرخ ایران اور اہل ایران کی باقاعدگی اور ڈسپلن کے بارے میں رطب اللسان ہے۔ وہ قدم قدم پر وہاں کے عوام کی پابندیٔ وقت کا ذکر ڈھونڈ ڈھونڈ کے لے آتی ہیں۔ لیکن وہاں مقالہ لکھنے سے مقالہ سنانے تک بے شمار بے قاعدگیاں سامنے آتی ہیں اور بے چاری کا وہی حال ہو جاتا ہے جو ہمارے ہاں پاکستان میں مقالہ لکھنے اور پڑھنے والے دانش وروں کا ہوتا ہے۔

اگر مجموعی لحاظ سے بشریٰ فرخ کے اس سفر نامے کو تحقیقی و تنقیدی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اس میں بعض فروگزاشتوں کے باوجود ایران اور اہل ایران کی بہترین عکاسی کی گئی ہے اور سفر نامہ نویس اچھی طرح سے اپنا مؤقف سمجھانے میں کامیاب نظر آتی ہیں اور یہی کسی تحریر کی بڑی خوبی ہوتی ہے کہ مصنف کے قلم سے نکلی ہوئی بات پڑھنے کے ذہن میں بیٹھ جائے اور وہ اس کے دیرپا اور دوررس اثرات لمبے عرصے تک محسوس کریں۔ دیگر سفر ناموں کے برعکس اس میں املا و انشا کے مسائل بھی نہ ہونے کے برابر ہیں اور پروف کی غلطیاں بھی کم ہیں۔ اگرچہ کہیں کہیں رموز او قاف کی کمی بیشی سامنے آتی ہے لیکن ایک پڑھے لکھے قاری کو اس کے مطالعے کے دوران زیادہ کوفت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا اور وہ بڑی آسانی سے بعض مسائل پر قابو پا لیتا ہے۔ ایران کی سیاحت اور اہل ایران کی سیاست کے بہترین عکس اس سفر نامے کی سب سے بڑی خوبی ہے اور مصنفہ نے بڑی عمدگی سے ایرانی عوام، ان کے رویوں، ایرانی سماج، ایرانی تہذیب و ثقافت، ایرانی تاریخ اور سامراج کے خلاف ایران کے عوامی غیرت اور قہر و غضب کا تذکرہ بہت عمدگی سے کیا ہے اور یہ سمجھا دیا ہے کہ جو قوم اللہ پر توکل اور حضرت محمد ﷺ کی سنت پر عمل پیرا ہوتی ہے تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی اس کو نہیں جھکا سکتی۔ کیونکہ اس کا عزم مسلسل اور خود اعتمادی ان کے لیے مشعل راہ بن جاتی ہے۔ ایرانی قوم نے باہمی اتحاد و اتفاق کے ذریعے پہلے انقلاب کو ممکن بنایا، اس کے بعد عراق کے ساتھ جنگ میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا اور اب امریکہ اور اس کے لے پالک اسرائیل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آگے بڑھ کر دوسرے اسلامی ممالک کے لیے باعث تقلید بن چکا ہے۔

آفتاب اقبال بانو کی وجہ شہرت ریڈیو ہے جہاں انھوں نے براڈکاسٹر اور پروڈیوسر کے طور پر طویل عرصہ گزارا اور وہاں نہ صرف افسانہ نگاری کا فن سیکھ لیا ہے اور ایک افسانوی مجموعہ ''اشک'' شائع کرایا، بلکہ تین سفر نامے بھی تحریر کیے ہیں، یہاں صرف ان کے اسپین کے بارے میں لکھے گئے سفر نامے ''سرزمین سپین'' کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا جائے گا کیونکہ مذکورہ سفر نامے میں وہاں کے مقامات مقدسہ کا ذکر ملتا ہے۔

''سرزمین سپین'' کے آغاز میں انھوں نے اسلام آباد ائیر پورٹ پر پی آئی اے کے اس جہاز میں چڑھنے اور اس کی تنگ سیٹوں میں سفر کرنے کو بزرگوں کے لیے باعث اذیت قرار دیا ہے اور پاکستان کے اس تباہ حال قومی ائیر لائن پر طنز کیا ہے ۔سادہ و پر کار لہجے میں انھوں نے سپین تہذیب و ثقافت، معاشرت، رسم و رواج،، سپین کی تاریخ اور وہاں کی سرزمین پر مسلمانوں کے عروج او پھر زوال کی تفصیلات بیان کی ہیں۔یورپ جانے کی ان کی فطری خواہش کا اظہار سفر نامہ نگار نے یوں کیا ہے:

> ''مغرب کی دنیا میرے لیے نئی نہیں ہے، میں نے کئی بار امریکہ اور کینیڈا کی ریاستوں اور شہروں کے سفر کیے ہیں اور وہاں کی زندگی کو بڑے قریب سے دیکھا ہے۔ لیکن یورپ کو دیکھنے کی ہمیشہ ایک خواہش میرے دل میں دبی رہی۔ خاص طور پر یورپ کی سائنسی اور تعلیمی میدان میں بے انتہا ترقی و ترویج اپنی آنکھوں سے دیکھنے کو دل چاہتا ہے''(۲۸)

مصنفہ کا تاریخی شعور بہت پختہ ہے اور وہ مسلم تہذیب و ثقافت کا گہرا مطالعہ بھی رکھتی ہیں۔اسپین کے بارے میں وہ کافی معلومات بھی حاصل کی ہیں، اسپین کے شہروں میں غرناطہ، اشبیلیہ، قرطبہ اور الحمرا میں مسلم اسپین کی نشانیاں آج بھی موجود ہیں۔اس زمانے کے مسلم حکمرانوں نے نہ صرف علمی اور اقتصادی لحاظ سے ہسپانیہ کو ثروت مند بنایا بلکہ ثقافتی اور تہذیبی لحاظ سے بھی وہاں کے لوگوں کی زندگی کا دھارا بدل دیا۔اس زمانے کی تاریخی عمارات اور مساجد آج بھی مسلمانوں کی عظمت کے زندہ نشانوں کی طرح کھڑے ہیں۔اسپین کے دوسرے شہروں کے برعکس مصنفہ کو قرطبہ جانے کی بڑی جلدی تھی کیونکہ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ وہ عظیم مسجد قرطبہ جس کو ایک اہل ایمان (عبدالرحمان اول الداخل) نے ۷۸۸ء میں تعمیر کرائی اور دوسرے اہل ایمان (علامہ اقبال) نے اس پر ایک ناقابل فراموش نظم لکھی، اس کی شان و شوکت کیسی ہو گی؟ وہ اپنے جذبات کا اظہار یوں کرتی ہیں:

''بس روانہ ہوئی تو قرطبہ کے شہر کی گلیاں اور بازار نظر آنے لگے یقین نہیں آرہا تھا کہ کہاں میں قرطبہ کے شہر میں ہوں۔ جہاں مسجد قرطبہ دنیائے اسلام کا ایک اونچا منارہ ہے۔ اگر میں غلط نہیں ہوں تو مسجد الحرام، مسجد نبوی ﷺ اور بیت المقدس کے بعد جس مسجد کا ذکر مسلمانوں میں سب سے زیادہ ہوتا ہے تو وہ مسجد قرطبہ ہے۔ یہاں کی گلیاں، کوچے، محلے، سڑکیں، بازار مسلمانوں کی ہیبت اور جرات کے راز دار ہیں اور یہی آس پاس کہیں وہ عظیم مسجد ہے جو آج بھی مسلمانوں کی عظمت اور عروج کا نشان ہے''(۲۹)

ایک طرف مسلمانوں کا عظیم اسپین جس کے ساحل پر لنگر انداز ہونے کے بعد عظیم مسلم مجاہد طارق بن زیاد نے کشتیاں جلانے کا اعلان کیا تھا، اور پھر فتح مسلمانوں کا مقدر بنی۔ مسلمان حکمرانوں نے وہاں آٹھ سو سال تک حکومت کی۔ لیکن افسوس کہ اب وہاں اسلام کا دور دور تک پتا نہیں چلتا۔اس لیے تو آفتاب اقبال بانو کو وہاں کے ہوٹلوں میں حرام اور حلال گوشت میں بھی کئی طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے،اس لیے ان کے بقول انھوں نے زیادہ تر سبزیوں پر گزران کیا ۔بحیثیت مجموعی یہ سفر نامہ اپنے اندر اسلامی احساس اور موجودہ دور کے مسلمانوں کی بے بسی اور بے حسی کا ایک بھترین مرقع ہے۔

سیدہ عطیہ پروین کے والد صاحب کا نام سید داؤد تھا جو خود بھی ایک ڈراما نگار تھے جبکہ والدہ درس وتدریس کے شعبے سے وابستہ تھیں اس لیے ان کی تربیت علمی وادبی ماحول میں ہوئی۔ان کا شمار خیبر پختونخوا کے صاحب مجموعہ خواتین میں ہوتا ہے ۔عطیہ نے پہلے امریکہ کی سیر کی تھی لیکن اس کی دلی خواہش تھی کہ ایران کی سیاحت کی جائے اور وہاں کے لوگوں کی طرز زندگی کا قریب سے مشاہدہ کیا جائے۔

عطیہ نے چند اہل قلم خواتین کے ساتھ ایران کا سفر اختیار کیا ہے اور اس کے نتیجے میں یہ سفر نامہ معرض وجود میں آیا،سفر نامہ ''دوستی کا سفر'' ۲۰۱۷ء میں شائع ہوا۔اس کتاب کے کل ۱۰۸ صفحات ہیں جن کے آخر میں کچھ رنگین تصاویر بھی شامل کی گئی ہیں۔ یہ سفر نامہ بیانیہ انداز میں لکھا گیا ہے اور مصنفہ نے رواں دواں اسلوب میں اپنا نقطہ نظر قاری تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔انھوں نے بچپن میں اپنی نانی ماں سے سرزمین ایران کے متعلق کئی کہانیاں سنی تھیں،اس لیے اسی زمانے سے مصنفہ کے دل ودماغ میں ملک فارس کے کئی تاریخی کردار رچ بس گئے تھے۔

وہ خود فرماتی ہیں:

''نانی اماں اپنا پوپلا منہ رومال سے صاف کر کے شروع ہو جاتیں۔ ملک ایران میں ایک بڑا ہی طاقت ور بادشاہ رہتا تھا۔ ہمارا تمہارا خدا بادشاہ۔ یا کہتیں یہاں سے بہت دور ملک فارس میں ایک شہزادہ رہتا تھا۔ بچپن ہی سے نانی اماں کی کہانیوں کا ہیرو ایرانی ہوتا، شاید اس لیے بھی کہ ان کے آباؤاجداد کا تعلق ایران سے جڑتا تھا۔ ہم اس ملک کو ایک جادوئی بہادر ، طاقت ور لوگوں کے تناظر میں جانتے تھے ۔ وہاں رستم و سہراب تھے ۔ سعدی کی دل چسپ کہانیوں کے کردار تھے۔ جمشید باشاہ کا جام جم تھا، جس میں جھانک کر وہ تمام دنیا کی سیر کر لیتا''(۳۰)

عطیہ کے اس سفر نامے میں انسانیت کے احیا کے ساتھ نسائیت کے تحفظ کا احساس بھی نمایاں ہے۔اس سفر نامے میں مصنفہ ایک بھرپور خاتون کے طور پر سامنے آئی ہیں اور اس سیاحت کے ایک ایک لمحے کو نسائی آنکھ سے دیکھ کر خود بھی لطف اندوز بھی ہوئی ہیں اور دوسروں کو بھی اس خوشی میں شامل کیا ہے۔

سفر نامہ ''دوستی کا سفر'' کی تحریر کے دوران مصنفہ ایک سیاح اور سفر نامہ نگار کے ساتھ ساتھ ایک خاتون بن کر بھی چیزوں کا مشاہدہ اور مطالعہ کرنے میں بڑی پر عزم دکھائی دیتی ہیں ۔ ایران میں انہیں جہاں بھی موقع ملتا ہے وہاں خواتین کو درپیش مسائل اور ان کو دستیاب وسائل کا ذکر کرتی ہیں۔ان کی نسائیت ہر مقام پر ان کی راہ نمائی کرتی ہے اور انھیں ایک لمحے کے لیے بھی انہیں غافل نہیں ہونے دیتی۔اس سفر کے دوران اپنے ادبی مصروفیات کے ساتھ ساتھ وہ ایرانی خواتین کی ادبی اور غیر ادبی مشاغل کے بارے میں بھی اپنی رائے پیش کرتی ہیں۔

ان کی ٹور گائیڈ ان کو بتاتی ہے:

'' ایرانی خواتین نے ادب کے میدان میں بھی کارہائے نمایاں سرانمام دیئے ہیں ۔ عراق ایران لڑائی کے بعد خواتین میں مزاحمتی ادب لکھنے کا رجحان پنپنے لگا۔ خواتین ادیبوں کی ہمت افزائی پر ان کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا ۔ہماری یونی ورسٹی میں ساٹھ فیصد خواتین پڑھتی ہیں اور ہر جگہ ہر انسٹی ٹیوشن میں چالیس فیصد خواتین اساتذہ پڑھاتی ہیں۔ جن خواتین کی عمریں آج بیس سے پچیس سال تک کی ہیں ان مئس شرح خواندگی کا تناسب پچانوے فیصد ہے۔ خواتین کے لیے عام ہسپتالوں کے ساتھ علٰیحدہ ہسپتال بھی ہیں ، جس کا سو فیصد عملہ خواتین پر مشتمل ہوتا ہے''(۳۱)

بیانیہ انداز میں لکھا گیا یہ سفر نامہ اگرچہ اپنے جلو میں ایران اور اہل ایران کے علاوہ پاکستان کے حالات کی بھی عکاسی کرتا ہے ،ہر محب وطن پاکستانی کی طرح مصنفہ کے دل میں بھی پاکستانیت کے جذبات کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا دریا موجزن ہے۔

ایران کلی سیاحت کے دوران اس دیار کی جو باتوں انہیں اچھی لگیں یا جن سے بہت متاثر ہوئیں ان میں خود مختاری اور خود اعتمادی کے جذبات نمایاں تھے۔

ایک اچھے سفر نامے کی ایک خوبی یہ ہے کہ سفر نامہ نگار کسی علاقے کے حسن و جمال کی دل فریب تصاویر بنائے اور جو کچھ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اس کا ہو بہو عکس سامنے لائے تاکہ پڑھنے کے قلب و ذہن کو متاثر کر سکے۔ عطیہ پروین نے ایک کہنہ مشق لکھاری کی طرح ایران کے حسن کے مختلف مظاہر اور مناظر کو اپنے موقلم کے ذریعے پیش کیا ہے ۔ جس کی وجہ سے سفر نامے کے آخر تک قاری کی دل چسپی برقرار رہتی ہے بلکہ اس کے دل میں ان مناظر کو دیکھنے کی آرزو بھی انگڑائی لیتی ہے اور وہ افسوس کرتا ہے کہ کاش وہ بھی حسن و جمال کے ان مرقعوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔

شیخ سعدی کے مزار کا نقشہ کھینچنے کے بعد مشہور شاعر فردوسی کے مزار کی بڑی عمدہ تصویر کشی اور منظر نگاری مصنفہ نے کی ہے۔ وہاں کے در و دیوار کا عالم دیکھیے:

> ''یہاں سے نکل کر ہم فردوسی کے مزار پر گئے۔ اونچے گول چبوترے پر ان کا مزار تھا، سب نے وہاں دعا کی، مزار کے احاطے کے عین درمیان میں شالیمار باغ لاہور کی طرح عین درمیان میں فوارے سفید پانی کے موتی لٹا رہے تھے ۔ سفید مرمر کو پانچ پانچ پنکھڑیوں میں کاٹ کر جگہ جگہ پھول کی شکل میں رکھ کر درمیان میں رنگ برنگی پھول اگائے گئے تھے۔ گیٹ سے اندر آؤ تو تالاب کے دائیں طرف سفید سنگ مرمر سے فردوسی کا قدآدم مجسمہ ایستادہ تھا۔ مزار کے ساتھ بڑا اور کھلا گول ٹائپ کا ہال تھا، جس میں دیواروں پر مرمر کی بڑی سلیٹوں پر فردوسی کی حکایتوں، اشعار اور اس کی ماورائی کہانیوں پر مشتمل کرداروں کو سنگ مرمر سے بنائے گئے مجسموں کی صورت بنا کر پیش کیا گیا تھا''(۳۲)

ایران کے سفر نامے تحریر کرنے والے دیگر مصنفین کے برعکس عطیہ نے صرف تہران اور مشہد کی عظمت کے ترانے نہیں گائے نہ انھوں نے انقلاب ایران کی شان میں قصیدے لکھے ہیں بلکہ چلتے چلتے دیگر شہروں میں بھی ہر چیز پر ایک طائرانہ نظر ڈالی ہے اور اپنے مقصد کو ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ انھوں نے مشاہدہ کے ساتھ مطالعہ بھی کیا ہے اور ان دونوں کے زور پر ایک مثبت نتیجے تک پہنچنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔

شیراز کا شہر شیخ سعدی شیرازی اور حافظ شیرازی کی وجہ سے نہ صرف ایران میں بلکہ دنیا بھر میں شہرت رکھتا ہے

ہمارے لیے تو شیراز حکایات سعدی اور شعر حافظ شیرازی سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے، جن کے ساتھ پرائمری اسکول سے ہماری بچپن کی دوستی چلی آرہی ہے۔ ہماری طرح عطیہ بھی شیراز سے دل بستگی رکھتی ہیں اور اس کے متعلق یوں لکھتی ہیں:

''شیراز ایران کا پانچواں بڑا شہر ہے۔ یہ گلابوں اور پھولوں کا شہر ہے۔ یہاں ولی اللہ، اسکالرز اور مشہور زمانہ شاعر دفن ہیں۔ اس کی فضاؤں میں خوش بوئیں رچی بسی ہیں۔ بازاروں سے گزر رہے تھے تو جگہ سرخ سرخ انار اور بڑے بڑے تازہ تربوزوں کے ڈھیر ہر طرف بک رہے تھے۔ مٹی اور شیشے سے بنے انار بھی سجے تھے۔''(۳۳)

''شب یلدا'' کو سال کی بڑی رات کہا جاتا ہے اور ایران کے لوگ اس رات کو مختلف تقاریب میں گزار کر اپنی روایات سے جڑے رہنے میں عافیت محسوس کرتے ہیں۔ سفر نامہ نگار نے اس کے متعلق بھی معلومات افزا باتیں قاری تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ کہ کس طرح وہاں کے لوگ سال کی اس سب سے بڑی رات کو مختلف تقاریب کے انعقاد میں گزارتے ہیں۔ ایک دوسرے کے گھر جاتے ہیں، حلوے مانڈے اور طرح طرح کے پکوان پکاتے ہیں اور عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ مل کر کھاتے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے یہ کسی عید کی تقریب ہے۔

عطیہ کا مشاہدہ قوی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کا قوت شامہ بھی بہت فعال ہے۔ وہ جہاں بھی جاتی ہیں، کھانے کی چیزوں کی بو سونگھ لیتی ہیں اور پھر انہیں کچھ نہ کچھ کھانے کو ضرور مل جاتا ہے۔ ایران کے کھانوں، پکوانوں اور وہاں کے خشک پھلوں سے وہ خوب لطف اندوز ہوئی ہیں اور ان کا ذکر بھی خوب مزے لے لے کر کیا ہے۔

تابندہ فرخ کو قلم و قرطاس ورثے میں ملا ہے، کیونکہ ان کے والد فرخ سیئر معروف ٹی وی پروڈیوسر اور والدہ بشریٰ فرخ ایک جانی پہچانی شاعرہ ہیں۔ تابندہ نے سرزمین عراق کا ایک سفر نامہ ''روداد عشق'' لکھا جو کاروان حوالٹریری فورم پشاور کے زیر اہتمام جون ۲۰۲۰ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوا۔ ان کا دوسرا سفر نامہ ''صراط عشق'' ہے جو ان کے سفر شام اور وہاں کی مقدس زیارات کے متعلق اپنے احساسات اور تجربات پر مشتمل ہے۔ اس سفر نامے کی سن اشاعت مئی ۲۰۲۴ء ہے اور یہ بھی کاروان حوالٹریری فورم پشاور کے زیر اہتمام سرائے اردو پبلی کیشنز سیالکوٹ نے شائع کیا۔

سفر نامہ ''روداد عشق'' کے لکھنے اور پھر شائع کرانے کے بارے میں تابندہ فرخ یوں بتاتی ہیں:

''اس کتاب کو لکھنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ میں چاہتی تھی کہ اپنے جذبات اور لوگوں کے ساتھ بھی شیئر کروں اور خاص کر وہ لوگ جو ابھی تک زیارت کے لیے نہیں جا سکے اور تڑپتے ہیں اور وہ میری کتاب پڑھ کر کسی

حد تک زیارت کر لیں۔ یہاں میں یہ بات واضح کر دوں کہ میرا تعلق اہل سنت سے ہے لیکن اہل بیت کی محبت اور عقیدت میں اہل تشیع سے بڑھ کر ہوں ویسے بھی آقائے کریم ﷺ اور ان کی آل کی محبت ہر راسخ العقیدہ مسلمان کے دل میں ہونی چاہیے۔"(۳۴)

اس سفر نامے میں پہلے ایران اور پھر مدینہ جا کر در نبی ﷺ پہ حاضری دینے کے سر سری ذکر کے بعد عراق جا کر وہاں کے مقامات مقدسہ کی زیارت کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہی اس کتاب کی سب سے بڑی انفرادیت ہے کہ ہمارے ہاں کے سفر نامہ نگاروں نے حج اور ایران کے بارے میں تو کئی سفر نامے لکھے ہیں لیکن سر زمین عراق اور وہاں نجف اشرف اور کربلائے معلیٰ کی طرف کسی یا تو کسی کا دھیان نہیں گیا یا کسی کو وہاں جا کر سفر نامہ لکھنے کی توفیق عطا نہیں ہوئی۔ تابندہ فرخ اس لحاظ سے قسمت کی دھنی ہیں کہ انہیں خواب میں پانی والی زیارت کا بار بار دیدار ہوتا رہا اور ایک دن وہ اس کی تعبیر پانے میں کامیاب ہوئیں۔

مصنفہ عراق جانے سے پہلے کے تمام خدشات اور پھر جہاز میں بیٹھنے کے خوف کو دل میں بٹھائے وہ اللہ اللہ کرتی روانہ ہو جاتی ہیں اور بلآخر وہ سر زمین عراق پر قدم رکھ لیتی ہیں۔ وہاں پہنچ کر نجف اشرف کے جغرافیائی معلومات کے ساتھ ساتھ اس کا تاریخی پس منظر بیان کرتی ہیں:

"عربی میں نجف خشک کو کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے نے کے خشک ہونے کے بعد اسے نے جف کہا جانے لگا یعنی خشک سمندر اور بعد میں یہی نے جف نجف میں تبدیل ہو گیا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے نجف اس پہاڑ کا حصہ ہے کہ جہاں اللہ تعالٰے نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مقدس قرار دیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا، حضرت محمد ﷺ کو اپنا حبیب منتخب کیا اور انبیا علیہم السلام کے لیے اسے مسکن قرار دیا۔ امیر المومنین علیہ السلام اکثر نجف کی طرف آتے اور اسے شرف نگاہ بخشنے کے بعد فرماتے تیرا منظر کتنا حسین ہے اور تیرا اندر کتنا خوش گوار ہے، خدایا میری قبر یہاں قرار دے"(۳۵)

اس کے بعد مسجد کوفہ، میثم تمار، زیارت حضرت مسلم بن عقیلؓ، مسجد حنانہ، حضرت کمیل بن زیاد،، جشن ولادت امام علی، وادی سلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، مقام امام زمانہ کا تاریخی پس منظر بیان کرتے کرتے بلآخر کربلا پہنچ جاتی ہیں۔ بی بی رقیہ، اربعین، حضرت زید شہید کے ساتھ کربلائے معلیٰ کے ذکر میں امام عالی مقام کے روضہ

اقدس کے بارے میں تفصیلات مہیا کرنے کے بعد جب وہ حضرت عباس علم دار کی شہادت کا دل خراش واقعہ بیان کرتی ہیں تو ہر پڑھنے والے کو رلا دیتی ہے:

''غازی عباس خیموں کی طرف پانی لے کر جا رہے تھے۔ان میں سے ایک ظالم نے چھپ کر وار کیا اور مولا عباس کا ایک بازو قلم ہو گیا۔ مولا عباس نے علم اور پانی کی مشک کو دوسرے ہاتھ میں تھاما اور خیموں کی طرف بڑھتے رہے۔ پھر ایک اور ظالم نے چھپ کر وار کیا اور غازی عباس کا دوسرا بازو بھی شہید کر دیا۔اب جناب عباس نے مشک کو اپنے منہ میں پکڑا اور خیموں کی طرف بڑھتے ہی رہے۔غازی عباس کے جسم پر، منہ پر تیروں کی بارش ہوتی رہی ایک تیر آپ کی آنکھ میں لگا۔ایک ظالم نے مشک پر وار کیا، سارا پانی بہہ گیا۔ پھر ایک ظالم نے غازی عباس کے سر پر وار کیا اور ان کو شہید کر دیا''(۳۶)

۱۲۸ صفحات پر مشتمل اس سفر نامے میں زبان و بیان کی غلطیاں تو نہیں ہیں لیکن پروف کی بعض غلطیاں بہر حال موجود ہیں اگر اس کی طرف تھوڑی سی توجہ دی جاتی تو سفر نامے کے یہ مبارک صفحات زیادہ بھلے معلوم ہوتے۔

''صراط عشق''تابندہ فرخ کے سفر شام اور وہاں کے مقامات مقدسہ کے بارے میں تحریر کیا ہوا سفر نامہ ہے۔ یہ سفر نامہ بھی ۱۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ مقامات مقدسہ کے بارے میں اب تک جو سفر نامے لکھے گئے ہیں ان میں سر زمین عراق کا ذکر بہت کم ہی سننے اور پڑھنے کو ملتا ہے اور ملک شام کا ذکر تو کہیں خال خال ہی نظر آتا ہے۔اس کی بنیادی وجہ غالباً یہی ہو سکتی ہے کہ ہمارے ہاں کے بہت کم ادبا کو شام جانے اور وہاں کے مقدس مقامات کے بارے میں کچھ لکھ لانے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔

تابندہ اس لحاظ سے قسمت کی دھنی ہیں کہ انہیں نہ صرف ملک شام کی زیارات کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا موقع میسر آیا بلکہ وہاں کا احوال دوسروں تک پہنچانے کا کار خیر بھی ان کی ہاتھوں سرانجام پایا۔

تابندہ فرخ کے اس سفر نامے میں بھی جزئیات نگاری بہت زیادہ ہے، وہ اپنے سفر کی ایک ایک چیز پر نہ صرف نظر رکھتی ہیں بلکہ آخر میں بڑی عمدگی سے اپنے سفر نامے کا حصہ بھی بنا لیتی ہیں۔ پشاور سے کراچی تک کے سفر کے علاوہ شام کی چار گھنٹوں کے سفر میں ساتھ بیٹھی ایک قریبی لڑکی کے ساتھ گپ شپ کے علاوہ ٹینشن دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرنا، درود پاک کا ورد اور نعتیں پڑھنا بلکہ اپنے ساتھ اپنی والدہ، نرجس انٹی اور ثمینہ قادر کو بھی شامل کرنے کی

جزئیات اور تفصیلات بیان کرتی رہتی ہیں۔ جب وہ سرزمین شام پر قدم رکھتی ہیں تو وہاں کا تاریخی پس منظر یوں واضح کرتی ہیں:

''شام ایک پرانا اسلامی ملک ہے۔ جس کا سرکاری نام الجمہوریہ العربیہ السریا ہے۔ شام سورانی زبان کا لفظ ہے جو حضرت نوح کے بیٹے حضرت سام بن نوحؑ کی طرف منسوب ہے۔ طوفان نوح کے بعد حضرت سام اسی علاقے میں آباد ہوئے تھے۔ اس کے شمال میں ترکی، مغرب میں بحیرہ روم اور لبنان، جنوب میں اسرائیل اور اردن اور مشرق میں عراق واقع ہے۔ یہ ایک قدیم تہذیبی اور ثقافتی مرکز ہے۔''(۳۷)

شام کی سرزمین پر قدم رکھنے سے پہلے ہی مصنفہ اس کی زرخیزی کے ساتھ ساتھ وہاں کی تقدیس کا ذکر بھی احادیث اور تاریخی حوالوں کے ساتھ کرتی ہیں اور اس مقدس ملک کی اہمیت واضح کرتی ہیں۔ بیت المقدس جو آج کل یہودیوں کے قبضے میں ہے، اس کے متعلق سفر نامہ نگار نے اپنی معلومات کی روشنی سے اپنے قارئین کو یوں منور کیا ہے:

''مسجد نبوی اور مسجد الحرام کے بعد سب سے بابرکت اور فضیلت والی جگہ مسجد الاقصیٰ ہے۔ قیامت کی بعض بڑی نشانیوں کا ظہور بھی اسی مقدس سرزمین پر ہوگا۔ دجال اور یاجوج ماجوج جیسے بڑے فتنے بھی اسی سرزمین پر ختم کیے جائیں گے۔ یمن سے نکلنے والی آگ لوگوں کو اس بابرکت سرزمین کی طرف ہانک کر لے جائے گی۔ یہ علاقہ قدرتی نہروں، پھلوں کی کثرت اور انبیاؑ کا مسکن و مدفن ہونے کے لحاظ سے ممتاز ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام عراق سے مقدس سرزمین شام کی طرف ہجرت فرما گئے تھے''(۳۸)

شام کے ملک میں حضرت زینبؓ کے بارے میں پیدائش سے لے کر بچپن اور پھر ان کی شادی حضرت عبداللہ سے جو ان کے چچازاد بھائی تھے طے ہو گئی۔ بی بی زینب کے مزار پر مصنفہ جن کیفیات سے دوچار ہوئیں ان کا احاطہ انھوں نے اپنے الفاظ میں کچھ اس طرح کیا ہے:

'' جہاں میں بیٹھی ہوئی تھی وہاں سامنے جالی کے اندر سے بی بی کی ضریح نظر آ رہی تھی۔ میری نظریں وہاں سے ہٹنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں۔ نوحے پڑھنے کے بعد مردوں نے ماتم داری کی۔ اب مغرب کی نماز میں تھوڑا سا ٹائم رہ گیا تھا۔ مولانا صاحب نے اذن دخول کی دعا پڑھائی اور کہا کہ اب آپ لوگ حرم چلے جائیں۔ یہ سنتے ہی میں تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی حرم میں داخل ہوئی اور ضریح کے پاس پہنچ گئی۔ بی بی کو سلام پیش کیا اور سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔ جذبات کا عجب عالم تھا۔ یقین نہیں آ رہا تھا کہ جس جگہ آنے کے لیے اتنی دعائیں مانگی تھیں

آخر کار وہاں پہنچ گئی ہوں"(۳۹)

اس کے بعد ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کے پہلے شوہر کے انتقال اور پھر سرور کائنات حضرت محمد ﷺ کی زوجیت میں آنے کا واقعہ بیان کیا ہے۔آپؓ حضرت ابوسفیانؓ کی بیٹی تھی۔ابوسفیان کے اسلام لانے سے پہلے ایک دفعہ وہ آپؓ کے گھر آئے تو آپؓ نے حضرت محمد ﷺ کے بستر مبارک کو یہ کہہ کر لپیٹ دیا کہ یہ سردار دوجہان کا بستر ہے اس پر کوئی مشرک کس طرح بیٹھ سکتا ہے ؟۔سفر نامہ نگار نے اس کے بعد حضرت ام سلمہؓ، حضرت ام کلثومؓ، بی بی فاطمہ صغریٰؓ، حضرت سکینہ کا ذکر بھی بڑی عقیدت کے ساتھ کیا ہے۔اس کے ساتھ مصنفہ نے مؤذن رسول حضرت بلالؓ کے بارے میں ڈھیر ساری معلومات عقیدت کے نذرانے کے طور پر اپنے پڑھنے والوں کی نذر کیے ہیں۔ حضور ﷺ کے حضرت بلالؓ کے خواب میں آنے اور پھر ان کے مدینے جانے کا واقعہ اور واپس آکر ان کی رحلت کا واقعہ مصنفہ ان الفاظ میں بیان کرتی ہیں:

> "آپ سیدھے قبر رسول ﷺ پر گئے۔ قبر مبارک سے پلٹ کر زار و قطار روئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ میں حاضر ہوں۔ نماز کا وقت ہوا تو صحابہ نے اصرار کیا کہ آپ آذان دیں۔آپ نے منع کر دیا۔آخر کار امام حسنؑ اور امام حسین علیہ السلام کے اصرار پر راضی ہوئے اور آذان شروع کی ۔ حضرت بلالؓ نے اللہ اکبر کہا تو مدینہ شریف میں کہرام مچ گیا۔لوگ گلیوں سے روتے ہوئے مسجد نبوی کی جانب چلنے لگے۔جب اشھدان محمد رسول اللہ کہا تو منبر رسول کی جانب نگاہ کی۔ منبر کو خالی دیکھا تو غش کھا کر گر گئے۔یہ حضرت بلالؓ کی زندگی کی آخری آذان تھی۔سن ۲۰ ہجری کو اس عاشق رسول ﷺ نے دمشق میں وفات پائی"(۴۰)

مجموعی لحاظ سے اس سفر نامے میں تابندہ فرخ نے سفری واقعات، سفری جزئیات، منظر نگاری اور خارجی حقائق کی بجائے بعض صحابیاتؓ کے بارے میں تاریخ اسلام کی کتب میں لکھے گئے واقعات پر زیادہ اکتفا کیا ہے۔اس کے علاوہ زبان وبیان میں فصاحت کے ساتھ ساتھ حفظ مراتب کا بھی پورا خیال نہیں رکھا گیا ہے۔درج بالا عبارت کو مثال کے لیے پیش کرنا کافی ہوگا جس کو پڑھ کر ایک حساس قاری خود بخود بہت کچھ محسوس کر سکتا ہے۔

تابندہ فرخ کے سفر ناموں کی اہمیت اس وجہ سے بھی ہے کہ عراق اور شام کی سرزمین پر تو خیبر پختونخوا تو کیا پوری اردو دنیا سے بہت کم لوگوں کو جانا نصیب ہوا اور پھر وہاں کے مقامات مقدسہ کے بارے میں سفر نامہ لکھنے اور اسے دوسروں

کے سامنے پیش کرنا تو بالکل ناپید ہے۔

نیلوفر سمیع کے سفر نامے کا نام ''واردات قلب'' ہے جو ان کے سفر حرمین کی یادگار ہے، انھوں نے مزکورہ سفر نامے میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں حج کے دوران پیش آنے والے واقعات کا ذکر کیا ہے۔ ۹۶ صفحات پر مشتمل یہ سفر نامہ مارچ ۲۰۲۳ میں کتابی صورت میں منظر عام پر آیا۔ پروفیسر منور رؤف اور بشریٰ فرخ نے اس پر اپنے اپنے تاثرات قلم بند کیے ہیں

۔

سفر نامہ نگار جب سرزمین حجاز پر قدم رکھتی ہیں تو سامان کی گم شدگی کا راز اس پر افشا ہو جاتا ہے اور وہ اسی پریشانی کے عالم میں آگے بڑھتی ہے۔ لیکن جونہی ان کی نظر بیت اللہ شریف پر پڑتی ہے تو اس کی ساری پریشانی اور تھکن دور ہو جاتی ہے ۔اس وقت ان پر جو کیفیت طاری ہوتی ہے اس کی ایک جھلک ملاحظہ کیجیے:

> ''خانہ کعبہ اللہ کے گھر کی طرف بڑھ رہے ہیں، شوق دیدار بڑھ رہا ہے اللہ کا گھر قریب آرہا ہے حرم شریف میں داخل ہو رہے ہیں خانہ کعبہ پر پہلی نظر پڑتی ہے تو ایک دہشت سی طاری ہو جاتی ہے۔ خانہ کعبہ کو ہم نے صرف تصویروں میں اور ٹی وی پر دیکھتے تھے وہ نظروں کے سامنے ہے۔ معلوم نہیں کیوں انکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ کچھ دیر کے بعد ہوش آیا تو یاد آیا کی دعا بھی مانگنی ہے، جتنی دعائیں دل میں تھیں سب زبان پر آجاتی ہیں''(۴۱)

نیلوفر کو بھولنے کی عادت ہے کبھی سامان بھول آتی ہیں، کبھی دوائیاں اور کبھی راستے۔ جس بلڈنگ میں وہ قیام پذیر وہاں کمروں ان کے ساتھ جو دوسرے حجاج ہیں ان میں حاجی مسکین شاہ صاحب اس سفر نامے کا ایک فعال کردار ہے جو اکثر اپنی بیوی کے ساتھ لڑپڑتے ہیں۔ اسی طرح سفر نامے میں بعض دوسرے حجاج جن میں اسلام پور سوات کی ایک فیملی بھی شامل ہے کو بھی اکثر اوقات اپنی اپنی شریک حیات کے ساتھ لڑتے جھگڑتے دکھایا گیا ہے۔ جس سے سفر نامے کی سنجیدہ فضا میں ایک خوش گوار تبدیلی آئی ہے۔

مصنفہ نے اپنے گلے کی خرابی کا ذکر بار بار کیا ہے اور اس میں شدت اس وقت آتی ہے جب وہ دوائیاں یا تو اپنے کمرے میں یا اپنے خیمے میں بھول آتی ہیں۔ طواف زیارت میں بھی ان کے ساتھ یہی کچھ ہوا، جب وہ دوائی اپنے خیمے میں بھول آتی ہیں اور طواف کرتے کرتے ان کا گلہ بند ہو جاتا ہے۔ اس دوران وہ اللہ تعالیٰ سے جس لہجے میں ہم کلام ہوتی ہیں مجھے ممتاز مفتی کا لبیک آجاتا ہے۔ نیلوفر نے اسی انداز میں اپنے رب سے گلہ شکوہ کیا ہے:

''جوں جوں طواف کرتی گئی گلہ آہستہ آہستہ بند ہوتا رہا۔ بخار چڑھ گیا۔ سر میں اور جسم میں شدید درد شروع ہو گیا۔ پانچویں چکر کے بعد گلہ بالکل بند ہو گیا۔ حتیٰ کی تھوک بھی نہ نگلا گیا۔ گرنے سے بچنے کے لیے سمیع کے کاندھے پر سر رکھ کر طواف کرتی رہی۔ جب ٹانگون نے جواب دے دیا تو ایک دم سے رونا آگیا جس میں تھوڑا غصہ بھی شامل تھا۔ اللہ سے فریاد کر ڈالی کہ اے اللہ خود کو اتنا بچا بچا کے رکھا تھا کہ حج صحیح طریقے سے کر لوں۔ اللہ سے لڑ پڑی اور آنسو نکل پڑے۔ اے اللہ اتنی دور مجھے بلایا ہے، کیا تو نہیں چاہتا کہ میں تیرے گھر کا طواف کر لوں؟ پھر مجھے کیوں بلایا ہے؟ اس کے بعد خوب روئی''(۴۲)

اگرچہ یہ سفر نامہ ڈائری کی تکنیک میں لکھا گیا ہے اور مصنفہ کی یادداشتوں پر مبنی ہے لیکن یہ ایک سپاٹ بیانیہ ہے جس میں ادبیت نہ ہونے کے برابر ہے۔ حرم کعبہ کے علاوہ مسجد نبوی ﷺ کو دیکھ کر بھی مصنفہ پر کوئی خاص کیفیت طاری نہیں ہوتی اور وہ جذبات واحساسات سے عاری بس ایک مختصر سے تبصرے کے بعد آگے بڑھ جاتی ہیں۔ طواف زیارت کا ذکر ایک جیسے الفاظ میں دو دفعہ کیا گیا ہے۔ صفحہ ۴۵ پر طواف زیارت کا ذکر موجود ہے جبکہ آگے چل کر دوسری مرتبہ صفحہ ۶۷ میں وہی سب کچھ دوبارہ لکھا گیا ہے۔ اگرچہ پروف کے مسائل بہت کم ہیں لیکن شاعرانہ اور ادیبانہ اسلوب کی کمی بلکہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ سفر نامہ ایک عام قاری کو تو متاثر کر سکتا ہے لیکن پڑھے لکھے ادیب کا اس سے متاثر ہونا محال ہے۔ پھر بھی کسی خاتون کا حج پر جانا اور وہاں کے حالات وواقعات پر قلم اٹھانا اور پھر اسے کتابی صورت میں شائع کرانا ایک قابل ستائش اقدام ہے۔

نصرت نسیم کا نام خیبر پختونخوا کی خواتین لکھاریوں میں شاعری کی بجائے نثر کی طرف توجہ دی اور اپنی یادداشتوں اور مختلف کتب پر تنقیدی تبصروں کی کتب کے علاوہ ایک عدد سفر نامہ بھی ''کھلی آنکھوں کا خواب'' کے نام سے لکھا ہے جو عراق کے مقدس مقامات کربلا، نجف، بصرہ اور بغداد کے زیارات کی سیر پر مشتمل ہے۔ یہ سفر نامہ اگست ۲۰۲۴ء میں شعیب سنز سوات کے زیر اہتمام شائع ہوا۔

۱۳۶ صفحات پر مشتمل یہ سفر نامہ خوب صورت ٹائٹل اور بھترین کاغذ پر چھپا ہے اور اس پر شجاعت علی راہی، فضل ربی راہی، نسیم سحر، جبار مرزا، ڈاکٹر نثار ترابی جیسے معتبر اہل قلم نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کر کے سند قبولیت عطا کی ہے۔

نصرت نسیم اپنے شوہر نام دار کے ساتھ سرزمین عراق میں واقع مقامات مقدسہ کی زیارات کے لیے نکلی ہیں اور بڑھاپے اور

بیماری کے باؤجود اہل بیت کی عقیدت انھیں کھینچ بلا رہی ہیں۔اس لیے وہ کھلی آنکھوں سے دیکھے ہوئے خواب کی تعبیر پانے کے لیے کمر بستہ نظر آتی ہیں۔اس سفر نامے کے آغاز میں وہ اپنا نقطہ نظر یوں واضح کرتی ہیں:

''کھلی آنکھوں کا خواب محبت وعقیدت سے لکھی گئی وہ کتاب، جس کے لیے میں ہر لمحہ دعا کرتی رہی کہ یااللہ اسے قبول فرما۔ میں نے آپ کے پیارے حبیب ﷺ اور ان کے پیاروں کی باتیں محبت وعقیدت سے لکھی ہیں ۔باب علم اور شہر علم میں قبول ہو جائیں، صدقہ جاریہ بن جائیں اور میری دعا ہے کہ ان تینوں محترم ہستیوں کا بھی صدقہ جاریہ بنیں جنھوں نے مثل چراغ راہوں میں اجالے کیے''(۴۳)

یہ سفر نامہ اس لحاظ سے بھی انفرادیت کا حامل ہے کہ اس میں ناول اور افسانے کی طرح بعض مقامات پر شعور کی رو کی تکنیک کا سہارا لیا گیا ہے۔ سفر نامہ نویس زمانہ حال میں سفر کرتے کرتے اچانک ماضی میں جھانک لیتی ہے اور وہاں سے بیتے دنوں کی سنہری یادوں کی ایک لہر انھیں آن لیتی ہے، پھر وہ اس لہر پر بہتی چلی جاتی ہے۔اس تکنیک سے خاص طور پر ان قارئین کو یک گونہ اطمینان حاصل ہوتا ہے جن کو ماضی میں اسی طرح کے حالات سے گزرنا نصیب ہوا ہوتا ہے۔

''بچپن کا محرم اور اہل بیت سے محبت کا بیج'' کے عنوان تلے جب وہ جہاز فلائی بغداد میں محو پرواز ہوتی ہیں تو انھیں بچپن کا محرم الحرام اور اس سے جڑے ہوئے تلخ وشیریں واقعات یاد آجاتے ہیں اور بے اختیار لکھتی ہیں:

''یادش بخیر بچپن میں محرم کا چاند نکلتے ہی اداسی اور رم کی چادر سی تن جاتی۔ ٹی وی تو تھا نہیں، واحد تفریح ریڈیو تھا ۔اس پر گانے وغیرہ کے تمام پروگرام دس دن مکمل بند ہوتے۔۔۔۔ ہمارا گھر مسجد حاجی بہادر صاحب کے قریب تھا۔ مسجد میں بھی خاص اہتمام کے ساتھ محرم الحرام کے فضائل بیان ہوتے۔ خاص طور پر آخری تین دنوں میں مسجد حاجی بہادر صاحب میں باہر سے بڑے بڑے علما بلائے جاتے۔۔۔۔۔دوسری طرف سب سے بڑا امام باڑا سید حبیب کا تھا، جہاں سے مرکزی جلوس اور ذوالجناح نکلتا۔ وہ قریب ہی تھا۔ان کے جلوس نکلتے، ذاکر بیان کرتے۔ سنی اور شیعہ دونوں اپنے اپنے انداز میں محرم مناتے اور احترام کرتے۔ کوئی اختلافی مسئلہ لڑائی جھگڑا سننے میں نہ آیا بلکہ سنی لوگ شربے کی سبیل لگاتے''(۴۴)

نصرت نے اس کتاب میں نہ صرف عراق آنے کا منشا بیان کیا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ انھیں شیر خدا اور نواسہ رسول ﷺ کی عقیدت کھینچ لائی ہے بلکہ اس سفر نامے میں منظر نگاری کا فنی کمال بھی قابل دید ہے۔اس سفر نامے کا اسلوب اپنے اندر تازی کاری رکھتا ہے اور رواں دواں انداز بیان کے ساتھ منظر نگاری نے بھی اس کے حسن میں اضافہ کیا

ہے۔ حضرت عباس کے مزار کا اندرونی منظر اور مصنفہ کی مودت کی ایک مثال ملاحظہ کیجیے:

''اندر داخل ہوئے تو شان و شکوہ لیے ہوئے پر ضیا روضہ۔ نظروں کو خیرہ کرتی ہوئی روشنیاں، سرخ قالین اور زائرین نوافل، قرآن اور ذکر واذکار میں مصروف نظر آئے۔ میں نے بھی نفل پڑھے، دعا کی، ذہن مسلسل مصروف کار رہا۔ اب روضے کی طرف چلے تو چلتے چلتے راستہ بناتے روضے کی جالیوں تک پہنچ گئے۔ جالیوں کو پکڑ کر سلام پیش کیا۔ اس جری بہادر عباس علم دار کو جو اپنی بہادری اور شجاعت میں فاتح خیبر شکن شیر خدا علی مرتضیٰ کی سی صفات کے مالک تھے''(۴۵)

نجف اشرف عراق کا ایک مقدس شہر ہے جہاں کی وجہ شہرت نہ صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں بلکہ وہاں دنیا کا سب سے بڑا قبرستان بھی ہے۔ نصرت نسیم نے اس قبرستان کے بارے میں بیش بہا معلومات اپنے پیاروں کے ساتھ شریک کیے ہیں جس میں ستر ہزار پیغمبروں کی قبریں ہیں, مصنفہ کی بیٹی عائشہ انہیں اس قبرستان کے بارے میں یوں بتاتی ہے:

''امی یہ بہت بڑا قبرستان ہے۔ میلوں پر پھیلا ہوا کہ اس کو ایک پورے دن میں بھی نہیں دیکھا جاسکتا۔ یہ دنیا کا سب سے بڑا قبرستان ہے۔ یونیسکو نے اسے ورلڈ ہیریٹیج سائٹس کی لسٹ میں شامل کیا ہے۔ ستر ہزار پیغمبر اس میں مدفون ہیں، مگر سوائے ہود علیہ السلام اور صالح علیہ السلام کی قبروں کے باقی پیغمبروں کی قبروں کا کسی کو علم نہیں۔ صدیوں سے اس میں ستر ہزار پیغمبر، اولیا، شہدا، صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور بے شمار لوگ دفن ہوتے آئے ہیں''(۴۶)

اس سفر نامے میں اہل بیت کے ساتھ ساتھ نام ور بزرگان دین کے متعلق بھی اہم معلومات بتائی گئی ہیں۔ حضرت جنید بغدادی، غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی، امام ابو حنیفہ، حسن بصری اور دیگر مشائخ وآئمہ کرام کے نام سے تو ہم سب واقف ہیں لیکن ان کی کتابوں اور علاقوں کے بارے میں عام آدمی کی معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔

لیکن اس سفر نامے پر تابندہ فرخ کے سفر نامے ''روداد عشق'' کی گہری چاپ ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ مصنفہ نے یا تو تابندہ کے سفر نامے کو سامنے رکھا ہے اور اسی ترتیب کے ساتھ لکھا ہے یا پھر دونوں نے وہاں کے مقامات مقدسہ کے بارے میں گوگل اور انٹرنٹ کی طرف سے مہیا کی گئی معلومات پر بھروسہ کیا ہے اور ہو بہو انھیں نقل کیا ہے۔ چونکہ دونوں کا بنیادی ماخذ ایک ہی ہے اس لیے دونوں میں یکسانیت آگئی ہے۔ مثال کے طور پر حضرت علیؓ نے نجف کے بارے جو فرمایا تھا

،اس کے متعلق دونوں سفر نامہ نگاروں کا بیان ایک ہے۔اسی طرح مسلم بن عقیل کی شہادت کا واقعہ بھی دونوں خواتین نے ایک ہی طرح کے الفاظ میں نقل کیا ہے۔

مجموعی لحاظ سے نصرت نسیم کا سفر نامہ زبان وبیان کی غلطیوں سے پاک ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ایک نفیس خاتون نے بڑی نفاست سے عالی قدر لوگوں کے بارے میں اپنے نفیس خیالات کا اظہار کیا ہے۔انھوں نے کبھی میر انیس کے ایک شعر کے ذریعے کبھی مرزا دبیر کے مرثیے کے بند کے ذریعے کبھی آزاد نظم کی صورت ، کبھی معریٰ نظم کی شکل میں یہاں تک کہ کہیں نثری نظم کی صورت میں بھی اہل بیت کی تعریف کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور اپنے سفر نامے کا حسن بڑھانے کے لیے تمام معنوی اور لفظی وسائل کو کام میں لایا ہے۔

خیبر پختونخوا کی خواتین لکھاریوں کے سفر ناموں کا اگر مجموعی جائزہ لیا جائے اور ان میں مقامات مقدسہ کے متعلق لکھے گئے مواد کا تحقیقی جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ ان خواتین میں مقامات مقدسہ کو دیکھنے کے ساتھ ساتھ ان کے بارے میں سفر نامے لکھنے کا رجحان بڑی تیزی سے فروغ پا رہا ہے۔اس کا اندازہ اس تحقیق سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ بیسویں صدی تک صرف تین چار خواتین اس میدان میں نظر آ رہی تھیں، لیکن الحمد للہ کہ اب مقامات مقدسہ کے بارے میں سفر نامہ لکھنے والیوں کی ایک معقول تعداد موجود ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ ان کے مقدار اور معیار دونوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔

حوالہ جات

(۱) رفیعہ سلطانہ (ڈاکٹر) اردو ادب کی ترقی میں خواتین کا حصہ، مجلس تحقیقات اردو، حیدرآباد، س۔ن، ص:الف

(۲) بسمینہ سراج (ڈاکٹر)، خیبر پختونخوا میں خواتین سفر نامہ نگار ایک مطالعہ ،اعراف پرنٹرز پشاور، دسمبر ۹ ۲۰ء، ص:۱۰۲

(۳) مرزا حامد بیگ (ڈاکٹر) قیام پاکستان سے قبل خواتین کے سفر نامے مشمولہ پاکستانی ادبیات میں خواتین کا کردار ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، ۲۰۰۷ء، ص:۱۸۹

(۴) گوہر رحمان نوید، خیبر پختونخوا میں اردو ادب، یونی ورسٹی پبلشرز پشاور، طبع سوم، جنوری ۲۰۲۳ء، ص۲۶۷

(۵) قدسیہ قدسی، گرد سفر ،اکادمی افکار پشاور، ۱۹۹۳ء، ص:۲۰

( ) ایضاً، ص:۳۰

(۷)ایضاً، ص:۳۰

(۸)ایضاً، ص:۴۴

(۹)قدسیہ قدسی، الخلیل والنخیل، علی آرٹ پرنٹرز پشاور، ۱۹۹۸، ص:۵

(۱۰)ایضاً، ص:۱۶

( )ایضاً، ص:۴۲

(۲)ایضاً، ص:۵۴

(۱۳)مسرت جہاں خٹک، خوشبوؤں کے دیس میں محبتوں کا سفر، ۱۹۹۸، ص:۱۵۔۱۴

(۱۴)ایضاً،، ص:۳۵

(۱۵)ایضاً،، ص:۱۳۷

( )مشرف مبشر، بوستان ایران، اعراف پرنٹرز پشاور، اکتوبر ۲۰۱۸ء، ص:۲۷

(۷)ایضاً، ص:۳۷

(۸)بسمین سراج (ڈاکٹر) خیبر پختونخوا میں خواتین سفر نامہ نگار، اعراف پرنٹرز پشاور، دسمبر ۲۰۱۹ء، ص:۱۵۵

(۹) مشرف مبشر، بوستان ایران، اعراف پرنٹرز پشاور، اکتوبر ۲۰۱۸، ص:۶۲

(۲۰)ایضاً، ص:۱۸۷

(۲)ایضاً، ص:۱۹۰

(۲۲)بشریٰ فرخ، خمینی کے ایران میں، سکائی ویژن پشاور، ۲۰۱۳ء، ص:۶۱

(۲۳)ایضاً، ص:۶۱

(۲۴)ایضاً، ص:۷۸

(۲۵)بسمین سراج (ڈاکٹر) خیبر پختونخوا میں خواتین سفر نامہ نگار، اعراف پرنٹرز پشاور، دسمبر ۲۰۱۹، ص:۱۱۱

(۲)بشریٰ فرخ، خمینی کے ایران میں، سکائی ویژن پشاور، ص:۱

(۲۷)ایضاً، ص:۱۲

(۲۸)آفتاب اقبال بانو، سرزمین سپین، ضیا سنز پرنٹرز پشاور، ۲۰۱۴، ص:۴۵

(۲۹)ایضاً،، ص:۲

(۳۰)سیدہ عطیہ پروین، دوستی کا سفر، این زیڈ پرنٹرز پشاور، ۲۰۱۷ء، ص: ۱۴

(۳۱)ایضاً، ص: ۶۷

(۳۲)ایضاً، ص: ۹۲

(۳۳)ایضاً، ص: ۶۷

(۳۴)تابندہ فرخ، روداد عشق، اعراف پرنٹرز پشاور۔ ۲۰۲۰، ص: ۶

(۳۵)ایضاً، ص: ۳۸

(۳۶)ایضاً، ص: ۹۲۔۹۱

(۳۷)تابندہ فرخ، صراط عشق، اردو پبلی کیشنز سیالکوٹ، ۲۰۲۴ء، ص: ۲۹

(۳۸)ایضاً، ص: ۳۱

(۳۹)ایضاً، ص: ۳۸

(۴۰)ایضاً، ص: ۶۰۔۶۱

(۴۱)نیلوفر سمیع، واردات قلب، رنگ ادب پبلی کیشنز کراچی، ۲۰۲۳ء ص: ۷

(۴۲)ایضاً، ص: ۶۸۔۶۷

(۴۳)نصرت نسیم، کھلی آنکھوں کا خواب، شعیب سنز منگورہ سوات، ۲۰۲۴، ص: ۲۱

(۴۴)ایضاً، ص: ۲۸

(۴۵)ایضاً، ص: ۴۲

(۴۶)ایضاً، ص: ۵۳

حوالہ جات

(۱)قدسیہ قریشی، اردو سفر نامہ انیسویں صدی میں، نصرت پبلشرز لکھنؤ، ۱۹۸۷، ص: ۶۸

(۲)ظہور احمد اعوان (ڈاکٹر) مشرق کا جنیوا، ادارہ علم و فن پاکستان، جنوری ۲۰۰۰، ص: ۱